شذرات		
قومی سطح پر باہمی کشمکش کا حل	جاوید احمد غامدی/منظور الحسن	۲
قرآنیات		
النساء (۴: ۷۱-۹۰)	جاوید احمد غامدی	۷
دین و دانش		
ایمانیات (۱۹)	جاوید احمد غامدی	۱۹
خاتمہ	〃 〃	۳۵
نقد و نظر		
مدیر ''الشریعہ'' کے نام حافظ زبیر صاحب کی تحریر	حافظ محمد زبیر	۳۷
غامدی صاحب کا تصور فطرت ـــــ چند توضیحات	منظور الحسن	۴۲
مقامات		
روداد سفر	جاوید احمد غامدی	۶۱
یسئلون		
متفرق سوالات	محمد رفیع مفتی	۶۹

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

جاوید احمد غامدی
مرتب: منظور الحسن

قومی سطح پر باہمی کشمکش کا حل

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

[''آج'' ٹی وی کے پروگرام ''Live with ghamidi'' میں میزبان جناب
ڈاکٹر منیر احمد کے ایک سوال کے جواب میں جناب جاوید احمد غامدی کی گفتگو]

ہمارے موجودہ قومی حالات پر ہر حساس آدمی پریشان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ملک ہی نہیں، پوری ملت اسلامیہ ایک سخت خطرناک صورت حال سے دوچار ہے۔ میں کبھی کبھی محسوس کرتا ہوں کہ جیسے یہ ملت بھی ایک بڑی سی لال مسجد ہے اور تمام مسلمان قومی سطح پر وہی کچھ کر رہے ہیں جس کا مظاہرہ گزشتہ دنوں لال مسجد اسلام آباد میں ہوا تھا۔ اس کے قائدین کو دیکھیں، ان کے طریق کار اور طرز استدلال کا جائزہ لیں، اس کے افراد کے جذبات اور محسوسات کا مطالعہ کریں تو بالکل ویسی ہی صورت حال سامنے آتی ہے۔ اس کے اسباب و وجوہ کیا ہیں، اس ضمن میں بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ زیادہ ضروری ہے کہ اس مسئلے کو اس کے حل کے پہلو سے دیکھا جائے۔ یعنی یہ جو کشمکش مذہبی طبقات میں اور سیکولر قرار دیے جانے والے طبقات میں جاری ہے، حکومتوں اور سیاسی گروہوں کے مابین جاری ہے اور عوام کے مختلف طبقوں میں جاری ہے، یہ کیسے ختم ہو سکتی ہے؟

میں برسوں اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ پانچ چیزیں ہیں جن کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کی وجہ سے جگہ جگہ کشمکش کے آثار پیدا ہوئے ہیں۔ ترکی ہو، انڈونیشا ہو، ملائیشیا ہو، سعودی عرب ہو، افغانستان ہو، ایران ہو، پاکستان ہو، کوئی بھی مسلمان ملک ہو، انھی پانچ چیزوں کا عدم وجود کشمکش اور باہمی خلفشار کا باعث بنا ہے۔ یہ چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو پھر ہم مسائل سے نکل کر ترقی کی راہ پر گام زن ہو سکتے ہیں۔

پہلی چیز جمہوریت ہے۔ یہ ہمارے دین کا بھی تقاضا ہے اور دنیا بھی اپنے تجربات کے نتیجے میں اسی مقام پر پہنچی ہے کہ جمہوری معاشرہ فلاح انسانی کے لیے ناگزیر ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت لوگوں کی رائے سے وجود میں آئے ،لوگوں کی رائے سے قائم رہے اور لوگوں کی رائے سے محرومی کے بعد اپنا جواز کھو دے۔ کسی شخص کو یہ حق نہ دیا جائے کہ وہ آئین کو توڑ دے یا کوئی ماورائے آئین اقدام کرے۔ قومی سطح پر جو آئین، جو دستور، جو قاعدہ بنایا جائے، اسے قومی میثاق کی حیثیت حاصل ہو۔ سب لوگ اس کی عزت کریں، اس کا احترام کریں۔ وہ ایک مقدس دستاویز قرار پائے اور اسے پس پشت ڈالنے کو ہرگز گوارا نہ کیا جائے۔

حقیقی جمہوریت ہماری ضرورت ہے۔ اس کے ذریعے سے آپ کشمکش کو ختم کر سکتے ہیں۔ آپ لوگوں کے اندر سے تشدد کے عنصر کو ختم کر کے ان کو اس راستے پر لا سکتے ہیں کہ وہ تبدیلی کے لیے رائے عامہ کو قائل کرنے کا طریقہ اختیار کریں۔ وہ ان کے ذہنوں پر، ان کے افکار پر اثر انداز ہوں اور اس طرح پر امن ذرائع سے تبدیلی لانے کے امکانات پیدا کریں۔ دیکھیے، تبدیلی لانا، سوسائٹی کو درست کرنا، یہ انسان کا حق ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ نظم ریاست اس کی امنگوں، اس کی آرزووں کے مطابق ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنی قوم کو اس کا یہ حق دیں کہ مملکت کے تمام ادارے اس کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔ پارلیمنٹ کو حقیقی بالادستی حاصل ہو اور ایک ایسا جمہوری نظام قائم ہو جس میں مذاکرات ہو سکیں، جس میں مکالمہ ہو سکے، جس میں اختلاف کو برداشت کیا جائے۔ اس کے بعد مذہبی طبقات کو بھی یہ بات سمجھائی جا سکتی ہے کہ وہ اگر کسی چیز کو درست سمجھتے ہیں تو لوگوں کی طرف رجوع کریں اور ان کے دل و دماغ کو بدلنے کی کوشش کریں۔ جب آپ جمہوریت کا راستہ بند کر دیتے ہیں تو اس کے بعد تشدد کا دروازہ کھلتا ہے اور پھر لوگ اپنے مقاصد کو حل کرنے کے لیے غلط طریقے اختیار کرتے ہیں۔

دوسری چیز نظام تعلیم ہے۔ نظام تعلیم وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے آپ قوم کی تعمیر کرتے ہیں۔ پڑھا لکھا طبقہ ہی اصل میں پوری قوم پر موثر ہوتا ہے۔ پاکستان میں بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں کوئی ایک نظام تعلیم نہیں ہے۔ تین مختلف نظام ہائے تعلیم ہمارے ہاں رائج ہیں، بلکہ اب تو اس سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔ مذہبی تعلیم کا الگ نظام ہے، غیر مذہبی تعلیم کا الگ نظام ہے، اردو تعلیم کا الگ نظام ہے، انگریزی تعلیم کا الگ نظام ہے۔ یہ مختلف نظام ہائے تعلیم مختلف طبقات کو جنم دیتے ہیں۔ تعلیمی نظام کی یہی تفریق ہے جس نے پوری قوم کو جزیروں میں بانٹ دیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بارہویں جماعت تک تعلیم ہر حال میں یکساں ہونی چاہیے۔ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

دینی چاہیے کہ وہ اس کے مقابلے میں کوئی متوازی تعلیمی نظام قائم کرنے کی کوشش کرے۔ بچے پوری قوم کی امانت ہیں۔ان سب کو ایک جیسا نصاب اور ایک جیسا ماحول میسر ہونا چاہیے۔اس کے بعد جب سپیشلا ئز کرنے کا موقع آئے تو کسی خاص شعبے میں تربیت دینی چاہیے۔اس موقع پر جو چاہے تقسیم کر لی جائے ،مگر تعلیم کی ابتدا ایک جگہ سے اور ایک طریق کار کے مطابق ہونی چاہیے۔ بارہویں جماعت کے بعد بچے شعور کی عمر کو پہنچ کر یہ فیصلہ کریں کہ ان کو عالم بننا ہے، استاد بننا ہے، انجینئر بننا ہے یا ڈاکٹر بننا ہے۔اس کے بعد جتنے چاہیں پرائیویٹ تعلیمی ادارے بنیں جو خاص دائروں میں تعلیم وتربیت کا بندوبست کریں، مگر اس سے پہلے تعلیم کا ایک ہی نظام ہونا چاہیے۔ جب تک آپ ملی طور پر، قومی طور پر ایک نظام تعلیم کا فیصلہ نہیں کر لیتے ،اس وقت تک معاشرے میں کشمکش کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔

تیسری چیز مسجد کا ادارہ ہے۔ یہ بہت بڑا انسٹیٹیوشن ہے۔ ہمارے دین میں جمعے کی نماز خاص طور پر ریاست سے متعلق کی گئی ہے۔اسلامی قانون کے مطابق جمعے کا منبر مسلمان حکمرانوں کے ساتھ خاص ہے۔ یہ ان کا کام ہے کہ وہ خطبہ دیں اور نماز کا اہتمام کریں۔اس سے مقصود یہ ہے کہ ان کا تعلق سوسائٹی کے ساتھ بھی قائم ہو اور خدا کے ساتھ بھی۔ ہم نے یہ منبر علما کے سپرد کر رکھا ہے۔اس کے نتیجے میں فرقہ بندی پیدا ہوئی ہے۔اس کے نتیجے میں مذہبی لوگوں کے قلعے وجود میں آئے ہیں۔اس سے مسجدوں کی تفریق کی بنیاد پڑی ہے۔ یہی مسجد کا ادارہ ہے اور یہی جمعے کا منبر ہے جو اب تشدد کا ذریعہ بھی بننا شروع ہو گیا ہے اور ہنگامے اور فساد کا ذریعہ بھی۔ وہ جگہ جو عبادت گاہ کے طور پر ہمارے لیے بہت مقدس تھی، اسی کو ہم اب سیاست کا اکھاڑا بنانے پر تل جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اس کو واپس لے کر ریاست کے سپرد کیا جائے۔ارباب اقتدار کو اس بات کی طرف توجہ دلائی جائے کہ جمعے کا یہ منبر اللہ کے پیغمبر نے تمھارے سپرد کیا تھا۔جس طرح تم دوسرے کام کرتے ہو، اسی طرح اس منبر کو بھی سنبھالو تا کہ یہ قومی وحدت کا ذریعہ بنے اور اس کے ذریعے سے ریاست اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل ہو۔

چوتھی چیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام ہے۔اس سے میری مراد یہ ہے کہ حکومت کے زیر اہتمام ایسے ادارے قائم کیے جائیں جو لوگوں کے اندر سماجی شعور بیدار کریں اور ان کی اخلاقی تربیت کا بندوبست کریں۔ یہ وہ کام ہے جو حکومت کی نگرانی میں علما کو سونپا جا سکتا ہے۔اس کے نتیجے میں علما کے لیے ایک ایسا چینل بن جاتا ہے جس میں وہ ریاست کے نظام کا حصہ بن کر خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو مذہبی طبقے اور حکمران طبقے میں کشمکش باقی رہے گی۔

ہر حکومت یہ چاہتی ہے کہ سماجی برائیوں کا قلع قمع ہو۔ وہ رشوت، بددیانتی، خیانت، دھوکا دہی، ظلم وعدوان اور

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

دوسری برائیوں کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں اصلاح وتربیت کا کام اگر علما کے سپرد کر دیا جائے تو اس کے نتیجے میں علما بھی اپنے دینی فرائض کی طرف متوجہ ہوں گے اور ان کے اور حکمرانوں کے مابین کوئی کشمکش بھی باقی نہیں رہے گی۔ جہاں تک جرائم کے معاملے میں کارروائی کا تعلق ہے تو یہ کام تو ہر حال میں پولیس اور عدلیہ کے سپرد ہونا چاہیے، لیکن اس سے پہلے اور بعد میں اصلاح وتربیت کے مختلف کاموں پر علما کو مامور کرنا چاہیے۔

پانچویں چیز انصاف ہے۔ اگر کسی ملک میں انصاف موجود نہیں ہے تو وہاں نہ افراد کے مابین اعتماد قائم ہو سکتا ہے، نہ اداروں کے مابین اور نہ حکومت اور عوام کے مابین۔ ہمارے عدالتی نظام کی پستی ہر شخص پر واضح ہے۔ اول تو یہاں انصاف میسر ہی نہیں ہوتا اور اگر کسی کو ہو جاتا ہے تو اس کے لیے عمریں درکار ہوتی ہیں۔ اس نظام کے ساتھ لوگوں کی جتنی شکایتیں وابستہ ہو چکی ہیں، اس کے بعد اگر اس کی اصلاح نہیں کی جاتی تو لوگوں کے اضطراب میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ کسی ملک میں اگر انصاف کا صحیح نظام قائم ہو جائے تو اس کے بعد جھگڑے ختم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ پانچ چیزیں ہیں جنھیں میرے نزدیک سول سوسائٹی کا موضوع بننا چاہیے۔ اہل دانش کو ان پر اتفاق رائے قائم کرنا چاہیے اور ہر طبقے کو اس کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ اگر ہم ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ملکی وقومی کشمکش کے خاتمے کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النساء

(۱۵)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org
www.ghamidi.net

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا﴿۷۱﴾
وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ، فَاِنْ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ، قَالَ: قَدْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ

ایمان والو، اپنے اسلحہ سنبھالو[۱۳۱] اور (مظلوموں کی مدد کے لیے) نکلو، (جیسا موقع ہو)، الگ الگ دستوں کی صورت میں[۱۳۲] یا اکٹھے ہو کر۔ تم میں یقیناً وہ لوگ بھی ہیں جو (اِس طرح کے موقعوں پر) ڈھیلے پڑ جاتے ہیں[۱۳۳]، پھر اگر تمھیں کوئی گزند پہنچے تو کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھ پر بڑی عنایت کی کہ میں اِن کے

[۱۳۱] اصل میں لفظ 'حِذْرَ' آیا ہے۔ اس کے معنی کسی خطرے اور آفت سے بچنے کے ہیں۔ اپنے اسی مفہوم سے ترقی کر کے یہ زرہ، سپر اور خود وغیرہ کے لیے استعمال ہوا، اس لیے کہ یہ چیزیں جنگ میں دشمن کے حملوں سے بچنے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ اس کا خاص استعمال ہے، لیکن اپنے عام استعمال میں یہ محض اسلحہ کے مفہوم میں بھی آجاتا ہے۔ موقع کلام دلیل ہے کہ یہاں یہ اسی مفہوم میں ہے۔

[۱۳۲] یعنی ٹکڑیوں کی صورت میں دشمن پر چھاپے مارنے کے لیے۔ یہ حملے کا وہی طریقہ ہے جسے اس زمانے میں گوریلا جنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

[۱۳۳] اور اس طرح خود بھی جنگ سے جی چراتے اور دوسروں کو بھی پست ہمت کرتے ہیں۔

اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ، كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ، يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا،

ساتھ موجود نہ تھا اور اگر اللہ تم پر کوئی فضل فرمائے تو کہتے ہیں ـــــ اور اِس طرح کہتے ہیں کہ گویا اُن کے اور تمھارے درمیان کبھی کوئی رشتۂ محبت نہ تھا[۱۳۴] ـــــ کہ اے کاش، میں بھی اِن کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا۔ (ایسے لوگوں کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے[۱۳۵])، اِس لیے وہی لوگ اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے نکلیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں دے ڈالنے کے لیے تیار ہوں۔ (اُن کے لیے بشارت ہے کہ) جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غلبہ پائے گا، اُسے ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔ ۷۱-۷۴

(ایمان والو)، تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے نہیں لڑتے جو فریاد کر رہے ہیں کہ پروردگار، ہمیں ظالموں کی اِس بستی سے نکال[۱۳۶] اور

---

[۱۳۴] یہ الفاظ ان کے باطن کو نمایاں کرتے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اپنی شامت اعمال سے کسی مہم میں شامل نہیں ہوتے تو ایمانی واسلامی اخوت کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی پر خوش ہوں کہ اللہ نے ان کے دینی بھائیوں کو سرخرو کیا، لیکن انھیں اس بات کی کوئی خوشی نہیں ہوتی، بلکہ جس طرح حریف کی کسی کامیابی پر آدمی کا دل جلتا ہے کہ وہ اس میں حصہ دار نہ ہو سکا، اسی طرح یہ لوگ اس کو اپنی کامیابی نہیں، بلکہ حریف کی کامیابی سمجھتے ہیں اور اپنی محرومی پر سر پیٹتے ہیں۔ گویا اسلام اور مسلمانوں سے ان کا کوئی رشتہ ہی نہیں۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۳۳۵)

[۱۳۵] یعنی ان لوگوں کی ضرورت نہیں ہے جو استاذ امام کے الفاظ میں صرف اس جنگ کے غازی بننا چاہتے

وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا، وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ﴿۷۵﴾

ہمارے لیے اپنے پاس سے[۱۳۷] ہمدرد پیدا کر دے اور اپنے پاس سے حامی اور مددگار پیدا کر دے[۱۳۸]۔ ۷۵

ہیں جس میں نکسیر بھی نہ پھوٹے اور مال غنیمت بھی بھرپور ہاتھ آئے۔

[۱۳۶] اس سے معلوم ہوا کہ قتال فی سبیل اللہ کی سب سے نمایاں اور اولین صورت یہی ہے کہ ان لوگوں کی مدد کی جائے جو دین کے لیے ستائے جا رہے ہوں۔ آیت میں ظالموں کی بستی کے الفاظ سے اشارہ ان بستیوں کی طرف ہے جن میں بہت سے مرد، عورتیں اور بچے ایمان لا چکے تھے، مگر ایسے سر پرستوں اور زبردستوں کے چنگل میں تھے کہ ان کے ظلم و ستم سے بچ کر اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے کوئی راہ نہیں پاتے تھے۔

[۱۳۷] اصل میں 'مِنۡ لَّدُنۡكَ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اگرچہ بظاہر تو امید کی کرن نظر نہیں آتی، مگر اللہ تعالیٰ کے لیے کیا بعید ہے۔ وہ جب چاہے اپنے بندوں کے لیے کوئی راہ کھول دے۔

[۱۳۸] اس پوری آیت سے جو باتیں ظاہر ہوتی ہیں، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے ان کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک یہ کہ ظالم کفار نے کمزور مسلمانوں پر خود ان کے وطن کی زمین اس طرح تنگ کر دی تھی کہ وہ وطن ان کو کاٹے کھا رہا تھا اور باوجودیکہ وطن کی محبت ایک فطری چیز ہے، لیکن وہ اس سے اس قدر بیزار تھے کہ اس کو ظالم باشندوں کی بستی کہتے ہیں، اس کی طرف کسی قسم کا انتساب اپنے لیے گوارا کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

دوسری یہ کہ کوئی وطن اسی وقت تک اہل ایمان کے لیے وطن کی حیثیت رکھتا ہے جب تک اس کے اندر ان کے دین و ایمان کے لیے امن ہو۔ اگر دین و ایمان کو اس میں امن حاصل نہ ہو تو وہ وطن نہیں، بلکہ وہ خونخوار درندوں کا بھٹ، سانپوں اور اژدہوں کا مسکن اور شیطانوں کا مرکز ہے۔

تیسری یہ کہ اس زمانے میں حالات اس قدر مایوس کن تھے کہ مظلوم مسلمانوں کو ظاہر میں نجات کی کوئی راہ بھی سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ سارا بھروسا بس اللہ کی مدد پر تھا کہ وہی غیب سے ان کے لیے کوئی راہ کھولے تو کھولے۔ اس کے باوجود یہ مسلمان اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے۔ اللہ اکبر! کیا شان تھی ان کی استقامت کی! پہاڑ بھی اس استقامت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

چوتھی یہ کہ اگر کہیں مسلمان اس طرح کی مظلومیت کی حالت میں گھر جائیں تو ان تمام مسلمانوں پر جو ان کی مدد کرنے کی پوزیشن میں ہوں، جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ان کی مدد کے لیے نہ اٹھیں تو یہ صریح نفاق ہے۔''

(تدبر قرآن ۲/۳۳۶)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ، وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِيۡ سَبِيۡلِ الطَّاغُوۡتِ، فَقَاتِلُوۡٓا اَوۡلِيَآءَ الشَّيۡطٰنِ، اِنَّ كَيۡدَ الشَّيۡطٰنِ كَانَ ضَعِيۡفًا﴿٧٦﴾

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ: كُفُّوۡٓا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ. فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً، وَقَالُوۡا: رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ، لَوۡلَآ اَخَّرۡتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ.

(اِنھیں بتاؤ، اے پیغمبر کہ) ایمان والے خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور منکرین اپنے سرکشوں[139] کی راہ میں۔ (یہ شیطان کے دوست ہیں)، سو تم شیطان کے اِن دوستوں سے لڑو اور یقین رکھو کہ شیطان کی چال بڑی کمزور ہے۔۷۶

تم نے دیکھا نہیں اِن لوگوں کو جن سے کہا جاتا تھا کہ (ابھی لڑنے کا وقت نہیں ہے، اِس لیے) اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز کا اہتمام کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو (تو یہ نماز اور زکوٰۃ سے جی چراتے اور جنگ کے لیے بے تاب ہوتے تھے[140])، لیکن جب اِن پر جنگ فرض کر دی گئی تو اب اِن کی حالت یہ ہے کہ اِن میں سے ایک گروہ لوگوں سے اِسی طرح ڈرتا ہے، جس طرح اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اُس سے بھی زیادہ۔ کہتے ہیں[141] کہ پروردگار، تو نے یہ لڑائی ہم پر کیوں فرض کر دی ہے؟ ہمیں کچھ تھوڑی سی مہلت

---

[۱۳۹] اشارہ ہے عرب کے ائمۂ کفر کی طرف جن کے لیے اصل میں لفظ 'طَاغُوۡت' آیا ہے۔

[۱۴۰] یعنی جب کفار کے علاقوں میں مسلمانوں کی مظلومیت اور بے بسی کو دیکھ کر لوگوں کے اندر جنگ کا احساس پیدا ہوتا اور وہ اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تو یہ منافقین اپنے ایمان و اخلاص کی دھونس جمانے کے لیے دوسروں سے بڑھ کر جہاد و قتال کے لیے بے تاب ہوتے تھے، لیکن جو کام اس وقت کرنے کے تھے، ان سے جی چراتے اور گریز و فرار کے بہانے ڈھونڈتے تھے۔

[۱۴۱] اصل میں لفظ 'قَالُوۡا' آیا ہے۔ یہ زبان کا قول نہیں ہے، بلکہ ان کی ذہنی حالت کی تعبیر ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ اس طرح کی تعبیرات کے لیے بھی آتا ہے۔

قُلْ: مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى، وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَيْنَ
مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ، وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ، وَاِنْ تُصِبْهُمْ
حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا: هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا: هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ.
قُلْ: كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ
اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ، وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ،
وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا، وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ

اور کیوں نہیں دی؟ اِن سے کہہ دو: دنیا کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے اور جو لوگ پرہیز گاری اختیار کریں، اُن کے لیے آخرت اُس سے کہیں بڑھ کر ہے اور (وہاں) تمھاری ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی۔ رہی موت تو تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ ہر حال میں تمھیں آکر رہے گی، خواہ تم کیسے ہی مضبوط اور بلند و بالا قلعوں[۱۴۲] میں ہو۔ (زبان سے یہ تمھاری رسالت کا اقرار کرتے ہیں) اور اگر اِنھیں کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں: یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں: یہ تمھاری وجہ سے ہے۔ کہہ دو: ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے، (اِس لیے کہ جو کچھ ہوتا ہے، اُسی کے اذن سے ہوتا ہے)۔ آخر اِن لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ (یہ حقیقت ہے کہ) تمھیں جو بھلائی بھی پہنچتی ہے، اللہ کی عنایت سے پہنچتی ہے اور جو مصیبت آتی ہے، وہ تمھارے اپنے نفس کی طرف سے آتی ہے[۱۴۳]۔ (اِن کی اصل بیماری یہ ہے کہ یہ تمھاری رسالت کے بارے میں متردد ہیں۔ اِن کی پروا نہ کرو)، ہم نے تمھیں لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور (اِس کے لیے) اللہ کی گواہی کافی ہے۔ (اِنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جو رسول کی اطاعت کرتا ہے، اُس نے درحقیقت

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

---

[۱۴۲] اصل میں 'بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں 'مُّشَيَّدَةٍ' کی صفت بلندی اور استحکام، دونوں مفاہیم کو شامل ہے۔ ہم نے ترجمہ اسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

[۱۴۳] یعنی اللہ کے اذن سے آتی ہے، مگر نفس کی کسی غلطی کی وجہ سے یا اس کی کوئی کمزوری دور کرنے کے لیے

اَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾
وَيَقُوْلُوْنَ: طَاعَةٌ، فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ، وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ، فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ، وَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ، وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا

اللہ کی اطاعت کی اور جس نے منہ موڑ لیا (تو اُس کی کوئی ذمہ داری تم پر نہیں ہے)، اِس لیے کہ ہم نے تمھیں اِن پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔[۱۴۴] ۷۷-۸۰

کہتے ہیں کہ سر تسلیم خم ہے،[۱۴۵] پھر جب تمھارے پاس سے ہٹتے ہیں تو اِن میں سے ایک گروہ اپنی اس بات کے بالکل برخلاف مشورے کرتا ہے۔[۱۴۶] اِن کی یہ تمام سرگوشیاں اللہ لکھ رہا ہے۔ سو اِن سے اعراض کرو اور اللہ پر بھروسا رکھو اور (جان لو کہ) اللہ بھروسے کے لیے کافی ہے۔ (تمھاری رسالت کے بارے میں اِنھیں تردد کیوں ہے)؟ کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی

آتی ہے یا اس لیے آتی ہے کہ طبیعت کے اندر جو خیر و شر بھی دبا ہوا ہے، وہ ابھر کر سامنے آجائے۔

[۱۴۴] اس میں بات اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے، مگر روے سخن، اگر غور کیجیے تو انھی منافقین کی طرف ہے۔

[۱۴۵] اصل میں لفظ 'طَاعَةٌ' آیا ہے۔ یہ خبر ہے جس کا مبتدا محذوف ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ سارا زور خبر پر رہے۔

[۱۴۶] اصل الفاظ ہیں: 'بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ'۔ ان میں 'بَيَّتَ' کے معنی اصلاً تو رات میں کوئی کام کرنے کے ہیں، لیکن اپنے عام استعمال میں یہ لفظ رات کی قید سے مجرد ہو گیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"...الفاظ کے اس طرح اپنے ابتدائی مفہوم سے مجرد ہو جانے کی مثالیں عربی زبان میں بہت ہیں۔ 'اَضْحٰی' اور 'بَاتَ' بھی اپنے عام استعمال میں دن اور رات کی قید سے مجرد ہو کر استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ نبی کی مجلس میں تو یہ ہر بات پر سر تسلیم خم کرتے ہیں، لیکن جب وہاں سے ہٹتے ہیں تو اپنی مجلسوں میں ان آیات و احکام کے خلاف مشورے کرتے ہیں جن کو اپنی خواہشات اور اپنے مفاد ذاتی کے خلاف پاتے ہیں۔" (تدبر قرآن ۲/۳۴۶)

فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿٨٢﴾

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ، وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ

طرف سے ہوتا تو اِس میں وہ بہت کچھ اختلاف پاتے۔[147] ۸۱-۸۲

(ایمان والو، یہ تمھارے خیر خواہ نہیں ہیں، اِس لیے) اِنھیں جب امن یا خطرے کی کوئی بات پہنچتی ہے تو یہ اُسے پھیلا دیتے ہیں،[148] درآں حالیکہ اگر یہ (اللہ کے) رسول اور اُن لوگوں کے سامنے اُسے پیش

[۱۴۷] مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن پر غور کرتے تو تمھاری نبوت کے بارے میں کبھی متردد نہیں ہو سکتے تھے، اس لیے کہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہو سکتا جو سال ہا سال تک مختلف حالات میں اور مختلف موقعوں پر اس طرح کے متنوع موضوعات پر تقریریں کرتا رہے اور شروع سے آخر تک اس کی یہ تمام تقریریں جب مرتب کی جائیں تو ایک ایسے ہم رنگ اور متوافق مجموعۂ کلام کی صورت اختیار کر لیں جس میں نہ خیالات کا کوئی تصادم ہو، نہ متکلم کے دل و دماغ میں پیدا ہونے والی کیفیات کی کوئی جھلک دکھائی دے اور نہ رائے اور نقطۂ نظر کی تبدیلی کے کوئی آثار کہیں دیکھے جا سکتے ہوں۔ یہ تنہا قرآن ہی کی خصوصیت ہے اور اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ خدا کی کتاب ہے اور تم خدا کے پیغمبر ہو۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...قرآن کی ہر بات اپنے اصول اور فروع میں اتنی مستحکم اور مربوط ہے کہ ریاضی اور اقلیدس کے فارمولے بھی اتنے مستحکم و مربوط نہیں ہو سکتے۔ وہ جن عقائد کی تعلیم دیتا ہے، وہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ و پیوستہ ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر دیجیے تو پورا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ وہ جن عبادات و طاعات کا حکم دیتا ہے وہ عقائد سے اس طرح پیدا ہوتی ہیں جس طرح تنے سے شاخیں پھوٹتی ہیں، وہ جن اعمال و اخلاق کی تلقین کرتا ہے وہ اپنے اصول سے اس طرح ظہور میں آتے ہیں جس طرح ایک شے سے اس کے قدرتی اور فطری لوازم ظہور میں آتے ہیں۔ اس کی مجموعی تعلیم سے زندگی کا جو نظام بنتا ہے وہ ایک بنیان مرصوص کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی الگ کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ پوری عمارت میں خلا پیدا ہو جائے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۳۴۷)

[۱۴۸] اس طرح کی افواہیں عام حالات میں بھی بڑے خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں۔ اس زمانے میں جنگ کے حالات تھے جن میں یہ خطرناکی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ، وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾
فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ، وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ. عَسَی
اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا، وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ
یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْھَا، وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ
لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْھَا، وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾

کرتے جو اُن میں سے معاملات کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں تو جو لوگ اُن میں سے بات کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ اُس کو سمجھ لیتے۔[۱۴۹] (مگر اِنھوں نے شیطان کی راہ اختیار کی ہے) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر تم سب شیطان کی پیروی کرتے۔ ۸۳

سو (اِنھیں چھوڑو اور) اللہ کی راہ میں جنگ کرو ــــــ تم پر اپنی ذات کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں ہے ــــــ اور ایمان والوں کو (جنگ کے لیے) ابھارو۔ بعید نہیں کہ اللہ اُن لوگوں کا زور توڑ دے جو منکر ہو گئے ہیں۔ اللہ کا زور سب سے زیادہ ہے اور (اِس طرح کے منکروں کو) وہ بڑی عبرت انگیز سزا دینے والا ہے۔ (یہ جہاد سے گریز کے مشورے دیتے ہیں۔ اِنھیں بتاؤ کہ) جو اچھی بات کے حق میں کہے گا، وہ اُس میں سے حصہ پائے گا اور جو برائی کے لیے کہے گا،[۱۵۰] وہ اُس میں سے حصہ پائے گا۔ (یہ اللہ کا فیصلہ ہے) اور اللہ ہر چیز کی طاقت رکھنے والا ہے۔ ۸۴-۸۵

---

[۱۴۹] اصل میں لفظ 'عَلِمَ' آیا ہے۔ یہ کسی چیز کے موقع و محل کو متعین کر لینے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں یہ اسی مفہوم میں ہے۔

[۱۵۰] اصل الفاظ ہیں: 'یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً'۔ 'شَفَعَ' کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے جوڑنے کے ہیں۔ اسی مفہوم سے ترقی کر کے یہ کسی بات کی تائید و حمایت اور اس کے حق میں کچھ کہنے کے لیے آتا ہے، وہ بات اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ چنانچہ دونوں کے لیے قرآن نے یہی لفظ اختیار فرمایا اور پہلی صورت کو 'شَفَاعَةً حَسَنَةً' اور دوسری کو 'شَفَاعَةً سَیِّئَةً' سے تعبیر کیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ، وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ، وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا، اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ

(تم جنگ کے لیے نکلو) اور جب (کسی شخص کی طرف سے) سلام کہا جائے[151] تو تم بھی سلام کہو، اُس سے بہتر یا اُسی طرح (اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو)، اِس لیے کہ اللہ یقیناً ہر چیز کا حساب لینے والا ہے[152]۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ وہ تم سب کو قیامت کے دن کی طرف لے جا کر رہے گا[153] جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا کون ہو سکتا ہے۔ ۸۶-۸۷

(تم اُن لوگوں کو جانتے ہو جو ایمان لا کر پلٹ گئے ہیں)، پھر تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اِن منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو[154]۔ اللہ نے تو اُن کے کیے کی پاداش میں اُنھیں الٹا پھیر دیا ہے[155]۔ کیا تم

[۱۵۱] اصل الفاظ ہیں: 'وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ'۔ استاذ امام نے ان کی وضاحت فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حَيَّاهُ تَحِيَّةً' کے اصل معنی کسی کو زندگی کی دعا دینے کے ہیں۔ اسی سے دعائیہ کلمہ 'حَيَّاكَ اللّٰهُ' ہے جس کے معنی ہیں، اللہ تمھاری عمر دراز کرے۔ سلام اور اس کے ہم معنی دوسرے دعائیہ کلمات بھی چونکہ کم و بیش یہی یا اسی سے ملتے جلتے مفہوم اپنے اندر رکھتے ہیں، اس وجہ سے لفظ کے عام مفہوم میں وہ سب اس کے اندر شامل ہو جاتے ہیں۔''
(تدبر قرآن ۲/۳۵۶)

[۱۵۲] یہ فوج کشی چونکہ ان مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں کی جا رہی تھی جو منکروں کے نرغے میں تھے، اس لیے ہدایت کی گئی کہ سلام کو ان کے اسلام کی علامت سمجھا جائے، اسے خوش دلی کے ساتھ قبول کیا جائے اور اس کا جواب بہتر طریقے سے دیا جائے۔ ان کے ایمان و اسلام کی تحقیق بعد میں ہو سکتی ہے۔ اس وقت زیادہ اہمیت اس چیز کی ہے کہ کوئی مخلص مسلمان تمھاری تلواروں کی زد میں نہ آ جائے۔

[۱۵۳] اصل میں 'لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں 'لَيَجْمَعَنَّكُمْ' کے بعد 'اِلٰى' کا صلہ دلیل ہے کہ یہاں کوئی لفظ ہانکنے اور لے جانے کے معنی میں محذوف ہے۔

[۱۵۴] اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ان کے ساتھ رشتہ و قرابت یا خاندان اور قبیلے کا تعلق

تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ، وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ
تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً، فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ، وَلَا
تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ،

اُنھیں ہدایت دینا چاہتے ہو جنھیں اللہ نے (اپنے قانون کے مطابق) گمراہ کر دیا ہے[۱۵۶]۔ درآں حالیکہ جنھیں اللہ گمراہ کر دے، اُن کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح خود منکر ہیں، اُسی طرح تم بھی منکر ہو جاؤ تاکہ وہ اور تم سب برابر ہو جائیں۔ لٰہذا اُن میں سے کسی کو اپنا ساتھی نہ بناؤ، جب تک وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ پھر اگر وہ اِس سے گریز کریں تو اُنھیں پکڑو اور جہاں پاؤ، قتل کرو اور اُن میں سے کسی کو اپنا ساتھی اور مددگار نہ بناؤ[۱۵۷]۔ اِس سے وہ لوگ، البتہ مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملے ہوں جن سے تمھارا کوئی معاہدہ ہے۔ اِسی طرح وہ لوگ بھی مستثنیٰ ہیں جو تمھارے پاس اِس طرح آئیں کہ نہ اپنے اندر تم سے لڑنے کی ہمت پاتے ہوں نہ اپنی قوم سے۔

رکھتے تھے۔ لہٰذا چاہتے تھے کہ نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ انھیں اگر ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور کچھ ربط ضبط رکھا جائے تو آہستہ آہستہ یہ سچے مسلمان بن جائیں گے۔

[۱۵۵] یعنی اسلام کی طرف جو قدم انھوں نے اٹھایا تھا، اسے جب دنیا کی محبت میں انھوں نے پیچھے ہٹا لیا تو اللہ نے بھی ان کے اس جرم کی پاداش میں انھیں اسی حالت کی طرف لوٹا دیا جس میں وہ یہ قدم اٹھانے سے پہلے تھے۔

[۱۵۶] یعنی اپنے اس قانون کے مطابق کہ جانتے بوجھتے حق سے گریز کرنے والوں کو اللہ گمراہی کے حوالے کر دیتا ہے۔

[۱۵۷] مطلب یہ ہے کہ ہجرت کی دعوت کے بعد اب ہجرت ہی ان کے ایمان و اسلام کی کسوٹی ہے۔ اگر وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہوتے تو ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو پیغمبر کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اسلام

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ، فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ
وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

اللہ چاہتا تو اُنھیں تم پر دلیر کر دیتا اور وہ بھی تم سے لڑتے۔ لہٰذا اگر وہ تم سے الگ رہیں اور جنگ نہ کریں اور تمھاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ تمھیں بھی اُن کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا۔ ۸۸-۹۰

اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ایمانیات

(۱۹)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

مقامات

انسان اس دن کی حاضری کے لیے جن مراحل سے گزرتا ہے، اور اس کے بعد جن مقامات پر ٹھیرایا جائے گا، اس کی تفصیلات بھی قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ وہ کشاں کشاں اسی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس سفر کا پہلا مرحلہ موت ہے۔ دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد یہ مرحلہ ہر انسان پر لازماً آتا ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: 'كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'[99]، (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے)۔ یہ صبح آسکتی ہے، شام آسکتی ہے، انسان اپنی پیدایش سے پہلے اور پیدا ہوتے ہی اس سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں یہ جس وقت چاہے، آجاتی ہے اور ہر شخص کو چار و ناچار اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ اس کی حقیقت قرآن میں یہ بیان ہوئی ہے کہ انسان کی اصل شخصیت کو، جسے قرآن میں نفس سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو اس کی حیوانی زندگی سے الگ ایک مستقل وجود ہے، اس کے جسم سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ انسان کو پہلی مرتبہ بھی یہ شخصیت اس کے حیوانی وجود کے ارتقا کے مختلف مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل تک پہنچ جانے کے بعد دی گئی تھی اور اب بھی استقرار حمل کے کم و بیش ۱۲۰ دن بعد یہ اسی وقت دی جاتی ہے[1]۔ موت اسی شخصیت کو جسم سے الگ کرنے کا نام ہے۔ اس کے لیے

۹۹؎ آل عمران ۳: ۱۸۵۔

ایک خاص فرشتہ مقرر ہے جس کے ماتحت فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے[100]۔ وہ آ کر باقاعدہ اس کو ٹھیک اسی طرح وصول کرتا ہے، جس طرح ایک سرکاری امین کسی چیز کو اپنے قبضے میں لیتا ہے:

قُلْ: يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ، ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ. (السجدہ ۳۲:۱۱)	''ان سے کہو، تمھیں وہ فرشتہ ہی قبض کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

اس موقع پر جو معاملہ انسان کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس کا ذکر بھی قرآن میں ہوا ہے۔ انبیا علیہم السلام کی طرف سے اتمام حجت کے بعد ان کے منکرین کی روحیں فرشتے انھیں مارتے ہوئے قبض کرتے ہیں اور موت کے وقت ہی بتا دیتے ہیں کہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اب ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ، وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ، ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ، وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ. (الانفال ۸:۵۰-۵۱)	''اور اگر تم دیکھتے، جب فرشتے اِن منکروں کی روحیں ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے قبض کرتے ہیں اور (کہتے ہیں کہ) لو اب چکھو آگ کے عذاب کا مزہ۔ یہ تمھارے اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت کی سزا ہے اور (جان لو کہ) اللہ اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

دوسری طرف جو لوگ رسولوں پر ایمان لاتے اور کفر و شرک اور ظلم و عدوان کی ہر آلایش سے بالکل پاک ہوتے ہیں، انھیں فرشتے سلام بجا لاتے اور جنت کی بشارت دیتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ، طَيِّبِيْنَ، يَقُوْلُوْنَ: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ، ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (النحل ۱۶:۳۲)	''اُن کو، جن کی روحیں فرشتے پاکیزگی کی حالت میں قبض کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: تم پر سلامتی ہو، جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے صلے میں۔''

اس کے بعد وہ مقامات ہیں جنھیں برزخ، محشر، دوزخ اور جنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان کے جو احوال قرآن میں مذکور ہیں، وہ اسی ترتیب کے ساتھ ہم یہاں بیان کریں گے۔

۱۰۰؎ السجدہ ۳۲:۶-۹۔ المومنون ۲۳:۱۲-۱۴۔ ترمذی، رقم ۲۱۳۷۔

۱۰۱؎ النساء ۴:۹۷۔ الانعام ۶:۹۳۔ النحل ۱۶:۲۸۔

یہ فارسی لفظ 'پردہ' کا معرب ہے اور اس حد فاصل کے لیے استعمال ہوا ہے، جہاں مرنے والے قیامت تک رہیں گے۔ یہ گویا ایک روک ہے جو انھیں واپس آنے نہیں دیتی: 'مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ'[102] (ان کے آگے ایک پردہ ہے اُس دن تک کے لیے، جب وہ اٹھائے جائیں گے)۔ عالم برزخ کی اصطلاح اسی سے وجود میں آئی ہے۔ روایتوں میں 'قبر' کا لفظ مجازاً اسی عالم کے لیے بولا گیا ہے۔ اس میں انسان زندہ ہوگا، لیکن یہ زندگی جسم کے بغیر ہوگی اور روح کے شعور، احساس اور مشاہدات و تجربات کی کیفیت اس زندگی میں کم و بیش وہی ہوگی جو خواب کی حالت میں ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ صور قیامت سے یہ خواب ٹوٹ جائے گا اور مجرمین اپنے آپ کو یکا یک میدان حشر میں جسم و روح کے ساتھ زندہ پا کر کہیں گے: 'يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا'[103] (ہائے ہماری بدبختی، یہ ہماری خواب گاہوں سے ہمیں کون اٹھا لایا ہے)۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا معاملہ بالکل واضح ہوگا، خواہ وہ درجۂ کمال میں وفاداری کا حق ادا کرنے والے ہوں یا سرکشی اور تکبر سے جھٹلانے والے اور کھلے نافرمان، ان کے لیے ایک نوعیت کا عذاب و ثواب اسی عالم سے شروع ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے حساب پوچھنے اور ان کے خیر و شر کا فیصلہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

پہلی صورت کی مثال وہ صحابۂ کرام ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ کی اور اپنے مقدس خون شہادت سے کشت حق کو سیراب کیا۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ وہ زندہ ہیں، اگرچہ تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے اور اپنے پروردگار کی عنایتوں سے بہرہ یاب ہو رہے ہیں:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ، يُرْزَقُوْنَ، فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ، وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ، وَفَضْلٍ، وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ.

''(اِس جنگ میں) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں، انھیں ہرگز مردہ خیال نہ کرو۔ (وہ مردہ نہیں)، بلکہ اپنے پروردگار کے حضور میں زندہ ہیں، اُنھیں روزی مل رہی ہے۔ اللہ نے جو کچھ اپنے فضل میں سے انھیں عطا فرمایا ہے، اُس پر شاداں و فرحاں، اُن کے پیچھے رہ جانے والوں میں سے جو لوگ ابھی اُن سے نہیں ملے، اُن کے بارے میں بشارت حاصل کرتے ہوئے

---

[102] المومنون ۲۳: ۱۰۰۔

[103] یٰس ۳۶: ۵۲۔

کہ (خدا کی اِس ابدی بادشاہی میں) اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کبھی غم زدہ ہوں گے، اللہ کی نعمتوں اور اُس کے فضل سے خوش وقت اور اس بات سے کہ ایمان والوں کے اجر کو اللہ کبھی ضائع نہ کرے گا۔''

(آل عمران ۳: ۱۶۹-۱۷۱)

دوسری صورت کی مثال فرعون اور اس کے اتباع ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اتمام حجت کے بعد بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ چنانچہ اپنے اس جرم کی پاداش میں دنیا میں بھی عذاب سے دوچار ہوئے اور عالم برزخ میں بھی صبح و شام انھیں دوزخ کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے:

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ، اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ، اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ.

(المومن ۴۰: ۴۵-۴۶)

''اور فرعون کے ساتھی بدترین عذاب کے پھیر میں آ گئے، دوزخ کی آگ ہے جس پر صبح و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت ہوگی، حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کرو۔''

روایتوں میں قبر کے جس عذاب و ثواب کا ذکر ہوا ہے، وہ یہی ہے۔[104] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید بتایا ہے کہ آپ کی بعثت جن لوگوں میں ہوئی، اُن کے لیے اس کی ابتدا اس سوال سے ہوگی کہ وہ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔[105] اس کی وجہ بھی بالکل واضح ہے۔ اپنی بعثت کے بعد رسول ہی اپنی قوم کے لیے حق و باطل میں امتیاز کا واحد ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر ایمان کے بعد پھر کسی سے اور کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

محشر

اس سے اگلا مقام محشر ہے۔ قرآن کا بیان ہے کہ دوسری مرتبہ نفخ صور کے بعد تمام وہ انسان جو آدم کی تخلیق سے لے کر قیامت تک پیدا ہوئے تھے، از سر نو زندہ کیے جائیں گے۔ اسی کا نام قرآن کی زبان میں حشر ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ زلزلۂ قیامت کے بعد ایک نئی زمین وجود میں آئے گی۔ یہ اسی پر برپا ہوگا۔ اس میں جو معاملات پیش آنے والے ہیں، ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

۱۔ تمام انسان زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ یہ زندگی روح و جسم کے ساتھ ہوگی۔ قرآن میں اسی کو

۱۰۴؎ بخاری، رقم ۱۳۷۹۔ مسلم، رقم ۲۸۶۶۔

۱۰۵؎ بخاری، رقم ۱۳۷۴۔ مسلم، رقم ۲۸۷۵۔

دوسری مرتبہ کی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے[106]۔ اس میں انسان کے دنیوی جسم کو ایک ایسے جسم میں تبدیل کر دیا جائے گا جو خدا کی ابدی بادشاہی میں نعمت ونقمت کی ہر حالت میں رہنے کے لیے موزوں ہوگا، لیکن ٹھیک اسی شخصیت کے ساتھ جس کے ساتھ وہ آج زندہ ہے:

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ، فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ. (یٰس ۳۶:۵۱)

''اور صور پھونکا جائے گا تو یکا یک وہ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف چل پڑیں گے۔''

وَقَالُوْا: ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا، ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا؟ قُلْ: کُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا، اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَکْبُرُ فِیْ صُدُوْرِکُمْ، فَسَیَقُوْلُوْنَ: مَنْ یُّعِیْدُنَا؟ قُلِ: الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ، فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْکَ رُءُوْسَهُمْ، وَیَقُوْلُوْنَ: مَتٰی هُوَ؟ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا. (بنی اسرائیل ۱۷:۴۹-۵۱)

''اور یہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں ہوں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو از سر نو اٹھائے جائیں گے؟ کہہ دو کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی اور چیز جو تمھارے خیال میں ان سے بھی سخت ہو، (پھر بھی تم اکٹھے ہو کر رہو گے)۔ پھر کہیں گے کہ ہمیں کون پلٹا کر لائے گا؟ کہہ دو کہ وہی جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا۔ اس پر وہ تمھارے آگے سر ہلائیں گے اور پوچھیں گے کہ یہ کب ہوگا؟ کہہ دو، عجب نہیں، اس کا وقت قریب ہی آ پہنچا ہو۔''

۲۔ انسان کی قوتیں اور صلاحیتیں اس اعادۂ خلق کے نتیجے میں نہایت غیر معمولی ہو جائیں گی، یہاں تک کہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے وہ جس شخص کو چاہے گا، دیکھ لے گا، اگرچہ وہ کتنا ہی دور ہو اور اس سے بات بھی کر لے گا۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک جنتی جب دنیا میں اپنے ایک ساتھی کو یاد کرے گا تو وہیں بیٹھے ہوئے جہنم کی گہرائی میں بھی اس کو دیکھ لینے میں اسے کوئی دقت نہ ہوگی:

قَالَ: هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ؟ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ. قَالَ: تَاللّٰهِ، اِنْ کِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ، وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ، لَکُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ. (الصّٰفّٰت ۳۷:۵۴-۵۷)

''وہ کہے گا: ذرا جھانک کر دیکھو تو سہی۔ یہ کہہ کر جونہی وہ جھکے گا تو اسے جہنم کے بیچ میں دیکھ لے گا۔ (پھر) کہے گا: خدا کی قسم، تم تو مجھے تباہ ہی کر دینے والے تھے۔ میرے پروردگار کی عنایت شامل حال نہ ہوتی تو میں بھی آج انھی لوگوں میں ہوتا جو پکڑے ہوئے آئے ہیں۔''

---

[106] المومن ۴۰:۱۱۔

۳۔ یہ ایک نیا عالم ہوگا جس کی زمین پروردگار کے نور سے روشن ہوگی۔ اس کا جلال روبرو ہوگا اور فرشتے اس کے عرش کا حلقہ کیے ہوئے ہوں گے۔ ہر چیز خدا کی حمد کرے گی، یہاں تک کہ مجرم بھی اس کے حضور میں حمد وثنا کرتے ہوئے پہنچیں گے:

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ اُخْرٰى، فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ، وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا. (الزمر ۳۹: ۶۸-۶۹)

''پھر دوسری مرتبہ وہی صور پھونکا جائے گا تو یکایک وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اس دن اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی۔''

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ، وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۵۲)

''وہ تمھیں پکارے گا تو اس کی حمد وثنا کرتے ہوئے تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے اور تمھارا گمان یہ ہوگا کہ تم بس تھوڑی ہی مدت رہے ہو۔''

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ، يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ، وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ، وَقِيْلَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (الزمر ۳۹: ۷۵)

''اور تم دیکھو گے کہ فرشتے عرش الٰہی کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کر رہے ہوں گے اور لوگوں کے درمیان ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور پکارا جائے گا کہ شکر کا سزاوار اللہ ہے، جہانوں کا پروردگار۔''

۴۔ زمین وآسمان اس روز خدا کی مٹھی میں ہوں گے۔ دنیا میں جو لوگ قیامت کے منکر رہے، ان کے لیے یہ ایک ایسا دن ہوگا جس کی سختی بچوں کو بوڑھا کر دے گی:

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ، سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. (الزمر ۳۹: ۶۷)

''قیامت کے دن پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان بھی اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے اُن چیزوں سے جنھیں یہ شریک ٹھیراتے ہیں۔''

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ، اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا، السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ، كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا. (المزمل ۷۳: ۱۷-۱۸)

''اس لیے اگر تم نہیں مانو گے تو اُس دن سے کس طرح بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ آسمان اس کے بوجھ سے پھٹا پڑ رہا ہے اور خدا کا وعدہ شدنی ہے۔''

لوگوں کے اعمال ان کے چہروں سے نمایاں ہوں گے۔ ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ نہ بھائی اپنے بھائی کی فریاد سنے گا، نہ بیٹا ماں باپ کی دہائی پر کان دھرے گا، نہ بیوی بچوں کا کوئی پوچھنے والا ہوگا:

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

فَاِذَا جَآءَ تِ الصَّآخَّةُ، يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ، وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ، وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ، لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ، وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ، ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ، وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ، تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ.

(عبس ۸۰: ۳۳-۴۲)

’’اِس لیے جب وہ کانوں کو بہرا کر دینے والی آئے گی (تو اِن سے پوچھو کہ پھر یہ کدھر جائیں گے)؟ اُس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے (بھاگے گا)۔ اُس دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی۔ کتنے چہرے اس دن روشن ہوں گے، ہنستے ہوئے، ہشاش بشاش، اور کتنے چہرے ہوں گے کہ اُن پر اُس دن خاک اڑتی ہوگی، سیاہی چھا رہی ہوگی۔ یہی کافر، یہی نافرمان ہوں گے۔‘‘

اس دن کی حاضری کے لیے مجرموں کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ اپنے جن پیشواؤں کی پیروی وہ دنیا میں کرتے رہے، وہی ان کی قیادت کریں گے۔ وہ چہروں سے پہچانے جائیں گے اور قبروں سے اٹھا کر اس طرح لائے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیچھے سے ہانک رہا ہوگا اور ایک گواہی دینے کے لیے ساتھ ہوگا۔ ان کی فضیحت کے لیے انھیں سجدہ کرنے کے لیے کہا جائے گا، مگر نہ کر سکیں گے:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ، بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ، فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ.

(الرحمٰن ۵۵: ۴۱-۴۲)

’’مجرم اپنی علامتوں سے پہچان لیے جائیں گے۔ پھر پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑے جائیں گے (اور دوزخ میں پھینک دیے جائیں گے)۔ اس وقت تم اپنے رب کی کن کن شانوں کو جھٹلاؤ گے۔‘‘

فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ، وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ، يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ، وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ.

(ہود ۱۱: ۹۷-۹۸)

’’لیکن اُنھوں نے فرعون کی بات مانی، دراں حالیکہ فرعون کی بات کچھ راستی کی بات نہ تھی۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انھیں جہنم کی طرف لے جائے گا۔ کیسی بدتر جگہ ہے پہنچنے کی، جہاں یہ پہنچیں گے!‘‘

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ، ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ. وَجَآءَ تْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ.

(ق ۵۰: ۲۰-۲۱)

’’اور صور پھونکا جائے گا۔ وہ ہماری وعید کے ظاہر ہونے کا دن ہوگا۔ اور ہر شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہوگا اور ایک

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

گواہی دینے والا۔''

یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ، وَّیُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ، فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ، خَاشِعَۃً اَبۡصَارُھُمۡ، تَرۡھَقُھُمۡ ذِلَّۃٌ، وَقَدۡ کَانُوۡا یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ، وَھُمۡ سٰلِمُوۡنَ.
(القلم ۶۸: ۴۲-۴۳)

''یہ اُس دن کو یاد رکھیں، جب بڑی ہلچل پڑے گی اور یہ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اِن کی آنکھیں جھکی ہوں گی، ان پر ذلت چھا رہی ہو گی۔ (یہ ظالم، ان کی کمر تختہ ہو گئی)، یہ اُس وقت بھی سجدے کے لیے بلائے جاتے تھے، جب یہ بھلے چنگے تھے۔''

۵۔ تمام نوع انسانی اس روز تین گروہوں میں بانٹ دی جائے گی: ایک حق کے لیے سبقت کرنے والے، دوسرے عام صالحین جن کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تیسرے وہ مجرم جن کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور پیچھے ہی سے ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔

وَکُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً، فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ، مَا اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ! وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَۃِ، مَا اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَۃِ! وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ. اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ. (الواقعہ ۵۶: ۷-۱۱)

''اور تم لوگ اُس وقت تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے: دائیں والے، سو دائیں والوں (کی خوش نصیبی) کا کیا کہنا! اور بائیں والے، تو بائیں والوں (کی بدنصیبی) کا کیا ٹھکانا! اور سبقت کرنے والے تو پھر سبقت کرنے والے ہی ہیں۔ وہی تو مقرب لوگ ہیں۔''

وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَھۡرِہٖ، فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا، وَّیَصۡلٰی سَعِیۡرًا.
(الانشقاق ۸۴: ۱۰-۱۲)

''اور جس کا نامۂ اعمال اس کے پیچھے ہی سے (اُس کے بندھے ہوئے ہاتھوں میں) پکڑا دیا جائے گا، وہ موت کی دہائی دے گا اور دوزخ میں جا پڑے گا۔''

۶۔ لوگوں کے اختلافات کی حقیقت کھول دی جائے گی۔ وہ احتساب کے لیے پیش ہوں گے تو ہر چیز پورے انصاف کے ساتھ اور اپنے وزن کے مطابق سامنے آئے گی۔ اس موقع پر کوئی خرید و فروخت نہ ہو گی، کسی کی دوستی کام نہ آئے گی، کوئی معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا، کوئی شفاعت نفع نہ دے گی۔ کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہ ہو گا۔ ہر چیز بالکل آخری درجے میں واضح ہو جائے گی:

اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا، فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ. (المائدہ ۵: ۴۸)

''اللہ ہی کی طرف تم سب کو پلٹنا ہے۔ پھر وہ تمھیں اُس چیز سے آگاہ کرے گا جس میں تم اختلاف کرتے

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

رہے ہو۔‘‘

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ، فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا، وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا، وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ. (الانبیاء ۲۱: ۴۷)

’’اور قیامت کے دن ہم عدل کی میزان قائم کریں گے تو کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر کسی کا رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ عمل ہو گا تو ہم اُسے سامنے لے آئیں گے اور حساب کے لیے ہم کافی ہیں۔‘‘

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا، وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ، وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ، وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ. (البقرہ ۲: ۴۸)

’’اور اُس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اُس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اُس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ لوگوں کو کوئی مدد ہی ملے گی۔‘‘

۷۔ اتمام حجت کے لیے گواہ پیش کیے جائیں گے۔ انبیا علیہم السلام بھی گواہی کے لیے بلائے جائیں گے۔ لوگوں کی زبانیں، ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھیں اور جسم کے رونگٹے تک گواہی دیں گے۔ اس کے بعد فیصلہ سنا دیا جائے گا:

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا، وَوُضِعَ الْكِتٰبُ، وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ، وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ، وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ. (الزمر ۳۹: ۶۸-۶۹)

’’اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی اور عمل کا دفتر رکھ دیا جائے گا اور سب پیغمبر بلائے جائیں گے اور وہ بھی جو شہادت کے منصب پر فائز کیے گئے اور لوگوں کے درمیان بالکل حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا، اِس طرح کہ اُن پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (النور ۲۴: ۲۴)

’’اُس دن جب اُن کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔‘‘

حَتّٰى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. (حٰم السجدہ ۴۱: ۲۰-۲۱)

’’یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس حاضر ہو جائیں گے تو ان کے کان اور اِن کی آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان پر گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں۔ اور وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی اللہ نے گویا کر دیا جس نے ہر چیز کو گویا کیا ہے۔ اور اس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا

اور اب اُس کی طرف لوٹائے جا رہے ہو۔''

۸۔ یہی موقع ہے، جب مشرکین کے معبودان کو جھوٹا قرار دیں گے، پیشوا اپنے پیرووں سے لاتعلقی ظاہر کریں گے اور انسان کا ازلی دشمن شیطان اپنے پیچھے چلنے والوں کو ملزم ٹھیرا کر ان سے اظہار برأت کر دے گا:

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَ هُمْ، قَالُوْا: رَبَّنَا، هٰؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ، فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ، اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ. (النحل ۱۶: ۸۶)

''اور جب وہ لوگ جنھوں نے (دنیا میں) شرک کیا ہے، اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: پروردگار، یہی ہیں ہمارے وہ شریک جنھیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے تھے۔ اِس پر وہ اُن کی بات انھی پر پھینک ماریں گے کہ تم جھوٹے ہو۔''

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا، وَرَاَوُا الْعَذَابَ، وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ. (البقرہ ۲: ۱۶۶)

''اُس وقت جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی، اپنے پیرووں سے بے تعلقی ظاہر کر دیں گے اور عذاب سے دوچار ہوں گے اور اُن کے تعلقات یک قلم ٹوٹ جائیں گے۔''

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (ابراہیم ۱۴: ۲۲)

''اور جب فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے جتنے وعدے کیے، ان میں سے کوئی بھی پورا نہیں کیا۔ اور مجھے تم پر کوئی زور نہیں تھا۔ میں نے یہی کیا کہ تمھیں دعوت دی اور تم نے میری اس دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ یہاں نہ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں، نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ تم نے جو مجھے شریک بنایا تھا، اُس کا میں پہلے سے انکار کر چکا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس طرح کے ظالم ہی ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

دوزخ

یہ مجرموں کے لیے سزا اور تزکیہ و تطہیر کی جگہ ہے۔ اس کے متعدد نام قرآن میں آئے ہیں۔ کسی جگہ اسے 'جھنم' کہا گیا ہے، کہیں 'سقر' اور کسی جگہ 'السعیر'، 'النار' اور 'النار الکبریٰ' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بدترین جاے قرار

ہے[١٠٧]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے سات دروازے ہوں گے جن میں سے ہر دروازے کے لیے مجرموں کا ایک حصہ مقرر ہوگا[١٠٨]۔ قرآن نے جن چیزوں کو اصلی مہلکات قرار دیا ہے، وہ اگر شمار کی جائیں تو سات عنوانات کے تحت آ جاتی ہیں[١٠٩]۔ شیطان انھی میں سے کسی ایک میں یا سب میں مبتلا کر کے لوگوں کو جہنم کے راستے پر ڈالتا ہے۔ یہ درجہ بندی غالباً انھی مہلکات کے لحاظ سے ہوگی۔ اس سے جہنم کی وسعت کا بھی کچھ اندازہ کرانا پیش نظر ہے کہ یہ ایسی وسیع ہوگی کہ اس کے سات دروازے ہوں گے جن سے جہنمیوں کے گروہ ان کے جرائم کے لحاظ سے الگ الگ داخل کیے جائیں گے۔ نیز فرمایا ہے کہ اس کی نگرانی کے لیے اس پر انیس فرشتے مقرر ہوں گے:

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ، لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ، لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ، عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ. (المدثر ٧٤: ٢٧-٣٠)

''اور تم کیا سمجھے کہ دوزخ کیا ہے؟ وہ نہ ترس کھائے گی، نہ چھوڑے گی، چمڑی جھلس دینے والی۔ اس پر انیس مقرر ہیں۔''

قرآن مجید میں یہ بات جگہ جگہ بیان کی گئی ہے کہ جانتے بوجھتے کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے دائمی عذاب ہے۔ اسی طرح کوئی مسلمان اگر عمداً کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس کے لیے بھی یہی سزا بیان ہوئی ہے۔ قانون وراثت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بھی اسی کی وعید فرمائی گئی ہے۔ یہی معاملہ بعض دوسرے کبائر کے مرتکبین کا بھی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دوزخ میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو اپنے گناہوں کی سزا بھگت لینے کے بعد اس سے نکال لیے جائیں گے، لیکن قرآن کی ان تصریحات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے مجرموں کی تعذیب کے لیے دوزخ ہمیشہ قائم رکھی جائے گی۔ اس کے باوجود یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک دن اس کی بساط لپیٹ دی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عذاب وعدہ نہیں، بلکہ وعید ہے اور عالم کا پروردگار یہ حق یقیناً رکھتا ہے کہ اپنی رحمت سے ان مجرموں کی سزا میں تخفیف کرے یا خاک اور راکھ بنا کر ہمیشہ کے لیے اسی جہنم کی مٹی میں دفن کر دے:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ، لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ، خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ، اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ، اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ

''پھر جو بد بخت ہوں گے، وہ دوزخ میں پڑیں گے، اس میں وہ گدھوں کی طرح چیخیں اور چلائیں گے اور اسی میں پڑے رہیں گے، جب تک (اُس عالم کے)

١٠٧۔ البقرہ ٢: ١٢٦، ٢٠٦۔ آل عمران ٣: ١٥١۔ ابراہیم ١٤: ٢٩۔

١٠٨۔ الحجر ١٥: ٤٤۔

١٠٩۔ بنی اسرائیل ١٧: ٢٢-٣٩۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

لِّمَا يُرِيْدُ. (ہود١١: ١٠٦-١٠٧)

زمین و آسمان قائم ہیں، مگر جو تیرا پروردگار چاہے۔ بے شک، تیرا پروردگار جو چاہے، کر گزرنے والا ہے۔''

اس میں جو روحانی اور جسمانی سزائیں مجرموں کو دی جائیں گی، وہ بھی قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ اس میں آگ کا عذاب ہوگا۔[110] یہ آگ چہروں کو جھلس دے گی،[111] صورتیں بگاڑ دے گی،[112] کھال ادھیڑ دے گی،[113] دلوں تک پہنچے گی۔[114] اس کے شعلے محلوں سے اونچے ہوں گے؛[115] اس میں نہ موت آئے گی، نہ چین نصیب ہوگا؛[116] پینے کے لیے ایسا گرم پانی دیا جائے گا جو آنتوں کے ٹکڑے کر دے گا؛[117] یہی پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا؛[118] انھیں زخموں کا دھوون اور پیپ پلائی جائے گی؛[119] کھانے کے لیے خاردار جھاڑیاں اور زقوم کا درخت ہوگا، تیل کے تلچھٹ کی طرح جو پیٹ میں اس طرح کھولے گا، جس طرح گرم پانی کھولتا ہے؛[120] اس سے نہ طاقت آئے گی، نہ بھوک مٹے گی؛[121] آگ کا لباس ہوگا؛[122] گلے میں طوق اور پاؤں میں زنجیریں ہوں گی؛[123] ہر چیز حسرت بن جائے گی۔[124] سب سے بڑھ کر یہ کہ مجرم اس میں

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

١١٠ الحج ٢٢: ٩۔

١١١ المدثر ٧٤: ٢٩۔

١١٢ المومنون ٢٣: ١٠٤۔

١١٣ المعارج ٧٠: ١٦۔

١١٤ الھمزہ ١٠٤: ٦-٧۔

١١٥ المرسلات ٧٧: ٣٢۔

١١٦ فاطر ٣٥: ٣٦۔ الاعلیٰ ٨٧: ١٢-١٣۔

١١٧ محمد ٤٧: ١٥۔

١١٨ الحج ٢٢: ١٩۔

١١٩ الحاقہ ٦٩: ٣٦-٣٧۔ النبا ٧٨: ٢٤-٢٥۔

١٢٠ الغاشیہ ٨٨: ٦۔ الدخان ٤٤: ٤٣-٤٦۔

١٢١ الغاشیہ ٨٨: ٧۔

١٢٢ الحج ٢٢: ١٩۔

١٢٣ المومن ٤٠: ٧١۔ الدھر ٧٦: ٤۔

١٢٤ مریم ١٩: ٣٩۔

اللہ تعالیٰ کے جلوے اور اس کی نگاہ التفات سے محروم ہوں[125] گے، وہ ان میں سے بعض مجرموں کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا[126]:

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا، لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا، لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا، لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا، اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا، جَزَآءً وِّفَاقًا، اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا، وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا، وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا، فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا. (النبا ۷۸: ۲۱-۳۰)

''بے شک جہنم گھات میں ہے، سرکشوں کا ٹھکانا۔ اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ نہ اِس میں ٹھنڈک کا مزہ، نہ گرم پانی اور بہتی پیپ کے سوا پینے کی کوئی چیز ان کے لیے ہو گی۔ اِن کے عمل کے مطابق ان کا بدلہ۔ یہ کسی حساب کی توقع نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتوں کو انھوں نے بے دریغ جھٹلا دیا تھا اور اِدھر (ان کی) ہر چیز ہم نے گن رکھی تھی۔ اِس لیے چکھو (اسے)، اب ہم تمھارے لیے عذاب ہی بڑھائیں گے۔''

جنت

یہ صالحین کی اقامت گاہ ہے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام نے اسے آسمان کی بادشاہی سے تعبیر کیا ہے[127]۔ قرآن میں اس کے لیے 'روضة' (چمن)، 'فردوس' (باغ)، 'جنة النعيم' (نعمت کے باغ)، 'جنة الخلد' (بقاے دوام کا باغ)، 'جنٰت عدن' (ہمیشہ رہنے کے باغ) اور اس طرح کے بعض دوسرے نام بھی آئے ہیں۔ یہ عیش دوام کی جگہ ہے، جہاں اس حیات دنیوی کے برخلاف زندگی کے ساتھ موت، لذت کے ساتھ الم، خوشی کے ساتھ غم، اطمینان کے ساتھ اضطراب، راحت کے ساتھ تکلیف اور نعمت کے ساتھ نقمت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس کا آرام دائمی ہے، اس کی لذت بے انتہا ہے، اس کے شب و روز جاوداں ہیں، اس کی سلامتی ابدی ہے، اس کی مسرت غیر فانی ہے، اس کا جمال لازوال اور کمال بے نہایت ہے:

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا، فَفِى الْجَنَّةِ، خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ، اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ، عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ.

''اور رہے وہ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے، جب تک (اُس عالم کے) زمین و آسمان قائم ہیں، مگر جو تیرا پروردگار

۱۲۵؎ المطففین ۸۳: ۱۵۔

۱۲۶؎ آل عمران ۳: ۷۷۔

۱۲۷؎ متی ۵: ۱۹-۲۰، ۷: ۲۱۔

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

(ہود۱۱:۱۰۸)

چاہے۔ ایک ایسی بخشش کے طور پر جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔‘‘

اس فانی دنیا میں بھی انسان اس کی نعمتوں کو کسی حد تک تصور میں لا سکے، قرآن نے اس کے لیے بادشاہی کے اسباب ولوازم مستعار لیے ہیں۔ چنانچہ ہرے بھرے باغوں، بہتی نہروں، سرسبز وشاداب چمن زاروں، اونچے محلوں، زروجواہر کے برتنوں، زریں کمر غلاموں، سونے کے تختوں، اطلس وکمخواب کے لباسوں، بلوریں پیالوں، عیش وطرب کی مجلسوں اور مہ جبیں کنواریوں کا ذکر اسی مقصد سے کیا گیا ہے:

اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ مَفَازًا، حَدَآئِقَ وَاَعۡنَابًا، وَّكَوَاعِبَ اَتۡرَابًا، وَّكَاۡسًا دِهَاقًا، لَّا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا، جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ، عَطَآءً حِسَابًا۔ (النبا۷۸:۳۱-۳۶)

’’اہل تقویٰ کے لیے، البتہ اُس دن بڑی فیروزمندی ہے۔ (رہنے کے لیے) باغ اور (اِن میں کھانے کے لیے) انگور اور (دل بہلانے کے لیے) اٹھتی جوانیوں والی ہم سنیں، اور (اُن کی صحبت میں پینے کے لیے) چھلکتے جام۔ وہاں کوئی بیہودہ بات، کوئی بہتان وہ نہ سنیں گے۔ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے بدلہ ہوگا، بالکل اُن کے عمل کے حساب سے۔‘‘

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الۡيَوۡمِ، وَلَقّٰهُمۡ نَضۡرَةً وَّسُرُوۡرًا، وَجَزٰهُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّةً وَّحَرِيۡرًا، مُّتَّكِئِيۡنَ فِيۡهَا عَلَى الۡاَرَآئِكِ، لَا يَرَوۡنَ فِيۡهَا شَمۡسًا وَّلَا زَمۡهَرِيۡرًا، وَدَانِيَةً عَلَيۡهِمۡ ظِلٰلُهَا، وَذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُهَا تَذۡلِيۡلًا، وَيُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِاٰنِيَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّاَكۡوَابٍ كَانَتۡ قَوَارِيۡرَا، قَوَارِيۡرَ مِنۡ فِضَّةٍ، قَدَّرُوۡهَا تَقۡدِيۡرًا، وَيُسۡقَوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنۡجَبِيۡلًا، عَيۡنًا فِيۡهَا تُسَمّٰى سَلۡسَبِيۡلًا، وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ، اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا، وَاِذَا رَاَيۡتَ، ثَمَّ رَاَيۡتَ نَعِيۡمًا وَّمُلۡكًا

’’تو اللہ نے اُنھیں اُس دنیا کی مصیبت سے بچا لیا اور تازگی اور سرور سے انھیں لا ملایا، اور انھوں نے جو صبر (اِس دنیا میں) کیا، اُس کے بدلے میں انھیں (رہنے کے لیے) بہشت اور (پہننے کے لیے) ریشمی پوشاک عطا فرمائی۔ وہ اُس میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ اُس میں دھوپ کی حدت دیکھیں گے، نہ سرما کی شدت۔ اور اُس کے درختوں کے سایے اُن پر جھکے ہوئے اور اُن کے خوشے بالکل ان کی دسترس میں ہوں گے۔ اور اُن کے سامنے چاندی کے برتن (اُن کے کھانے کے لیے) اور شیشے کے پیالے (اُن کے پینے کے لیے) گردش میں ہوں گے۔ (مگر) شیشے بھی چاندی کے، جنھیں اُن کے خدام نے

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

كَبِيرًا، عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ، وَّاِسْتَبْرَقٌ، وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ، وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَاباً طَهُوْرًا، اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً، وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا. (الدھر۷۶:۱۱-۲۲)

(ہر خدمت کے لیے) نہایت موزوں اندازوں کے ساتھ سجا دیا ہے۔ (اس کے علاوہ) اُنھیں وہ شراب وہاں پلائی جائے گی جس میں آب زنجبیل کی ملونی ہو گی۔ یہ بھی اُس میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ اور اُن کی خدمت میں وہ لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، دوڑتے پھرتے ہوں گے۔ تم ان کو دیکھو گے تو یہی خیال کرو گے کہ موتی ہیں جو بکھیر دیے گئے ہیں۔ اور دیکھو گے تو جہاں دیکھو گے، وہاں بڑی نعمت، بڑی بادشاہی دیکھو گے۔ اِس طرح کہ اُن (اہل جنت) کی اوپر کی پوشاک ہی سبز ریشم اور دیبا و اطلس کی ہو گی۔ اور اُن کو چاندی کے کنگن پہنائے گئے اور (وہ اُس مقام پر پہنچے کہ) اُن کے پروردگار نے انھیں شراب طہور پلائی۔ بے شک، یہ تمھارے عمل کا صلہ ہے اور (تمھیں مبارک کہ) تمھاری سعی مشکور ہوئی۔''

www.javedahmadghamidi.com

اسی طرح فرمایا ہے کہ جنت کے لوگ جو چاہیں گے، ملے گا؛ جو مانگیں گے، پائیں گے۔[۱۲۸] ان کے سینے حسد اور کینے اور بغض سے پاک کر دیے جائیں گے۔ وہ بھائیوں کی طرح تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔[۱۲۹] نہ وہاں سے نکالے جائیں گے، نہ کبھی اکتا کر نکلنا چاہیں گے اور نہ کسی آزار میں مبتلا ہوں گے۔[۱۳۰] اس کی نعمتیں ہر دفعہ نئے حسن، نئی لذت اور نئے ذائقے کے ساتھ سامنے آئیں گی۔ ایک ہی پھل جب بار بار کھانے کے لیے دیا جائے گا تو ہر مرتبہ لذت، حسن اور ذائقے کی ایک نئی دنیا اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔[۱۳۱] ہر طرف پاکیزگی، ہر طرف نزاہت۔[۱۳۲] نہ ماضی کا

۱۲۸؎ حٰم السجدہ ۴۱:۳۱۔ الزخرف ۴۳:۷۱۔ ق ۵۰:۳۵۔

۱۲۹؎ الاعراف ۷:۴۳۔ الحجر ۱۵:۴۷۔

۱۳۰؎ الحجر ۱۵:۴۸۔ الکہف ۱۸:۱۰۸۔ فاطر ۳۵:۳۴-۳۵۔

۱۳۱؎ البقرہ ۲:۲۵۔

کوئی پچھتاوا، نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔[۱۳۳] پھر سب سے بڑھ کر خدا کی رضوان اور اس کے جواب میں اس کے بندوں کی طرف سے حمد و ثنا کے زمزمے اور تسبیح و تہلیل کا سرود سرمدی جس سے جنت کی فضائیں شب و روز معمور رہیں گی۔[۱۳۴]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید وضاحت کی ہے کہ جنت میں رہنے والے کھائیں گے اور پئیں گے، لیکن نہ تھوکیں گے، نہ بول و براز کی ضرورت محسوس کریں گے، نہ ناک سے رطوبت نکلے گی، نہ بلغم اور کھنکھار جیسی چیزیں ہوں گی۔ وہاں کے پسینے سے مشک کی خوشبو آئے گی۔ وہ ایسی نعمتوں میں رہیں گے کہ کبھی کوئی تکلیف نہ دیکھیں گے۔ نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے، نہ جوانی زائل ہوگی۔ اس میں منادی پکارے گا کہ یہاں وہ صحت ہے جس کے ساتھ بیماری نہیں؛ وہ زندگی ہے جس کے ساتھ موت نہیں؛ وہ جوانی ہے جس کے ساتھ بڑھاپا نہیں۔ لوگوں کے چہرے اس میں چاند تاروں کی طرح چمک رہے ہوں گے۔[۱۳۵]

یہ تمام تصویریں ہمارے فہم کے لحاظ سے ہیں۔ ورنہ حقیقت کیا ہے؟ اس کی بہترین تعبیر وہی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے وہ کچھ مہیا کیا ہے جسے نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال کبھی گزرا ہے۔[۱۳۶] یہی اسلوب قرآن میں بھی ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ، جَزَآءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (السجدہ ۳۲: ۱۷)

”پھر کوئی نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے صلے میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان ان کے لیے پوشیدہ ہے۔“

۱۳۲؎ الواقعہ ۵۶: ۲۵۔

۱۳۳؎ البقرہ ۲: ۶۲، ۱۱۲، ۲۶۲، ۲۷۴، ۲۷۷۔

۱۳۴؎ التوبہ ۹: ۷۲۔ یونس ۱۰: ۱۰۔ مریم ۱۹: ۶۲۔ الحج ۲۲: ۲۴۔ الزمر ۳۹: ۷۳۔

۱۳۵؎ بخاری، رقم ۳۲۴۷۔ مسلم، رقم ۲۸۳۴، ۲۸۳۵، ۲۸۳۶، ۲۸۳۷۔

۱۳۶؎ بخاری، رقم ۳۲۴۴۔ مسلم، رقم ۲۸۲۴۔

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتمہ

www.javedahmadghamidi.com

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا جو کام میں نے ۱۹۹۰ء بمطابق ۱۴۱۰ھ میں کسی وقت شروع کیا تھا، وہ آج سترہ سال بعد پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ یہ اس پورے دین کا بیان ہے جو خدا کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے انسانیت کو دیا گیا۔ اسے فقہ و کلام اور فلسفہ و تصوف کی ہر آمیزش سے بالکل الگ کر کے بے کم و کاست اور خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے جو چیزیں روایتوں میں بیان ہوئی ہیں، وہ اس میں متابعات کی حیثیت سے آئی ہیں اور ان میں سے وہی قبول کی گئی ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ اس سے کم تر درجے کی کوئی روایت اس میں شامل نہیں کی گئی۔

قرآن و سنت کی جو تعبیر اس کتاب میں پیش کی گئی ہے، اس تک پہنچنے کے لیے میں نے ہر اس رائے اور نقطۂ نظر کو اس کے اندر اتر کر سمجھنے کی کوشش کی ہے جو سلف و خلف کے علما سے نقل ہوا ہے۔ پھر جو کچھ قبول کیا ہے، اس کے حاملین کی قلت و کثرت یا کسی کے نام اور شخصیت کی بنا پر نہیں، بلکہ اس کے دلائل کی بنا پر قبول کیا ہے۔ امام فراہی اور استاذ امام امین احسن اصلاحی کے رشحات فکر اس کتاب کی بنیاد ہیں، لیکن ان میں سے بھی کوئی چیز اس لیے قبول نہیں کی گئی کہ وہ ان جلیل القدر علما نے کہی ہے۔ میں نے بارہا مہینوں غور کیا ہے اور یہ صرف دلائل کی صحت اور عدم صحت ہے جس کے پیش نظر اس کے ردو قبول کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ کئی مقامات ہیں، جہاں میرا نقطۂ نظر جس طرح دوسرے علما اور محققین کی آرا کے مطابق نہیں رہا، اسی طرح اپنے ان بزرگوں سے بھی بڑی حد تک مختلف ہو گیا ہے۔

تاہم یہ ایک انسان کا کام ہے جو کسی طرح غلطیوں سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ میں بار بار اسے دیکھتا اور اس میں ترمیم و اضافہ کرتا رہا ہوں۔ اس کے جو ابواب وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں، انھیں دیکھ کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ زبان و

بیان، علم ونظر اور اخذ واستنباط کی کوئی غلطی اگر مجھ پر واضح ہوگئی ہے تو اگلے ایڈیشن میں بغیر کسی تردد کے میں نے اس کی اصلاح کر دی ہے۔ میں ہر وقت اس کے لیے تیار ہوں کہ آیندہ بھی اس کتاب کی جو غلطی مجھ پر واضح ہو جائے گی یا واضح کر دی جائے گی، ان شاء اللہ اس کی اصلاح کر دوں گا۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ دین کے معاملے میں جانتے بوجھتے کوئی غلطی کروں یا کسی غلطی پر جما رہوں۔

اپنے پروردگار کی عنایتوں کے لیے اعتراف وتشکر کے ساتھ میں اس موقع پر برادرم شیخ افضال احمد کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے اس سارے عرصے میں مجھے معاشی جدوجہد سے بے نیاز کیے رکھا اور میری تمام ضروریات انتہائی محبت اور نہایت فراخ دلی کے ساتھ پوری کی ہیں۔ یہی معاملہ میری اہلیہ کا ہے۔ ان کا ایثار وتعاون نہ ہوتا تو گھر در کی الجھنوں کے ساتھ اس کام کو جمعیت خاطر کے ساتھ پورا کرنا آسان نہ تھا۔ میرے ذاتی معاملات کو دیکھنے میں برادرم شکیل الرحمٰن، برادرم ڈاکٹر منیر احمد، برادرم محمد انیس مفتی اور برادرم الطاف محمود کی محبت اور ان کا تعاون بھی ہر لحاظ سے شکریے کا مستحق ہے۔ پچھلے دو برسوں میں یہی حیثیت برادرم شاہد مولود اور برادرم عمران کریم نے حاصل کر لی ہے۔ میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح اپنے ان تلامذہ اور احباب کا بھی شکر گزار ہوں جن کے مشوروں اور تنقیدات سے مجھے اس کتاب کی خامیوں کو دور کرنے میں مدد ملی ہے۔ ان میں جناب عمار خان ناصر، جناب معز امجد اور جناب طالب محسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عزیزم شہزاد سلیم کے لیے بھی اظہار تشکر ضروری ہے جنھوں نے اس کی تکمیل کے ساتھ ہی اس کا انگریزی ترجمہ مکمل کر دیا ہے۔ اس کتاب کی طباعت کا اہتمام ''المورد'' کے شعبۂ تصنیف وتالیف میں عزیزم منظور الحسن اور ان کا عملہ کر رہا ہے۔ ان کا شکریہ بھی واجب ہے۔ وہ یہ کام جس محنت اور ذمہ داری کے ساتھ کر رہے ہیں، وہ ہر لحاظ سے قابل تحسین ہے۔

یہ ایک طالب علم کا نتیجۂ فکر وتحقیق ہے اور اسی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سے اگر اس کے دین کی کوئی خدمت ہوئی ہے تو اسے قبول فرمائے اور میری مغفرت کا ذریعہ بنا دے۔ اب یہی تمنا باقی ہے۔ اس کے سوا ہر تمنا دل سے رخصت ہو چکی ہے:

منتظر ہوں تو فقط ان کی پزیرائی کا

المورد، لاہور

جمعہ ۲۷/ اپریل ۲۰۰۷ء

بمطابق ۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

—— جاوید

غامدی صاحب کا تصور فطرت

مدیر ''الشریعہ'' کے نام حافظ زبیر صاحب کی تحریر

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

محترم جناب مدیر ''الشریعہ''

السلام علیکم!

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

میں مدیر ''اشراق'' جناب سید منظور الحسن صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے غامدی صاحب پر میری تنقید کے تعاقب میں بحث کو آگے بڑھایا ہے۔ میں نے اپنے اصل مضمون میں یہ لکھا تھا کہ غامدی صاحب کے بنیادی مصادر شریعت چار ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ دین فطرت کے بنیادی حقائق، ۲۔ سنت ابراہیمی، ۳۔ نبیوں کے صحائف، ۴۔ قرآن۔

جناب سید منظور الحسن صاحب نے میرے مضمون پر تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''فطرت'' غامدی صاحب کے نزدیک کوئی مستقل ماخذ دین نہیں ہے۔ جناب منظور الحسن صاحب لکھتے ہیں:

> ''غامدی صاحب نے ''اصول ومبادی'' میں فطرت کا ذکر قرآن مجید کی دعوت کو سمجھنے میں معاون ایک ذریعے کے طور پر تو کیا ہے، لیکن کہیں بھی اسے مستقل بالذات ماخذ دین کے طور پر پیش نہیں کیا۔''
>
> (ماہنامہ الشریعہ، جولائی ۲۰۰۷، ۳۸)

اس بیان سے پہلے سید منظور الحسن صاحب کا دعویٰ تھا کہ غامدی صاحب نے ''اصول ومبادی'' میں 'فطرت کے حقائق' کو ایک مستقل ماخذ دین کے طور پر بیان کیا ہے۔ جناب سید منظور الحسن صاحب لکھتے ہیں:

> ''دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔ اس

موضوع پر مفصل بحث استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف ''میزان'' کے صفحہ ۴۷ پر ''دین کی آخری کتاب'' کے زیر عنوان ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔'' (ماہنامہ اشراق، مارچ ۲۰۰۴، ۱۱)

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سید منظور الحسن صاحب مجھ پر کج فہمی کا الزام لگا رہے ہیں، حالانکہ دیکھا جائے تو غامدی صاحب کے حوالے سے میں نے وہی بات بیان کی ہے جو کہ منظور الحسن صاحب نے بھی لکھی ہے کہ غامدی صاحب کے مآخذ دین چار ہیں۔ جب میں 'فطرت کے حقائق' کو غامدی صاحب کا ماخذ دین لکھوں تو مجھے منظور الحسن صاحب کج فہم کہتے ہیں، لیکن میں سید منظور الحسن صاحب سے یہ استفسار کرنے میں حق بجانب ہوں کہ ان کا اپنے اس فہم کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جس میں انھوں نے غامدی صاحب کے ماخذ دین چار بتلائے ہیں؟

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ سید منظور الحسن صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کہ جس میں انھوں نے غامدی صاحب کے مآخذ دین چار بتلائے ہیں، قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے۔ قطعی الثبوت تو اس لیے کہ منظور الحسن صاحب کی یہ عبارت، غامدی صاحب کے ماہنامہ ''اشراق'' میں کہ جس کے وہ خود مدیر بھی ہیں، ان کے ذاتی نام سے شائع ہوئی ہے۔ اور قطعی الدلالت اس لیے کہ اس عبارت کا ایک ایک لفظ اپنے مفہوم کو بغیر کسی اشتباہ کے واضح کر رہا ہے۔ منظور الحسن صاحب کی عبارت یہ ہے:

''دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔''

(ماہنامہ اشراق، مارچ ۲۰۰۴، ۱۱)

اگر کسی اردو جاننے والے سے اس عبارت کا مفہوم پوچھا جائے تو وہ یہی بتائے گا کہ 'مصادر' کا معنی 'مصادر' ہے۔ 'قرآن' سے مراد 'قرآن' ہے۔ 'فطرت' سے مراد 'فطرت' ہے۔ 'سنت ابراہیمی' سے مراد 'سنت ابراہیمی' ہے۔ 'قدیم صحائف' سے مراد 'قدیم صحائف' ہے، لہٰذا منظور الحسن صاحب کی یہ عبارت اس مسئلے میں نص قطعی ہے کہ ان کے نزدیک غامدی صاحب کے مآخذ دین چار ہیں۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ جناب منظور الحسن صاحب نے اپنی اس عبارت کی نسبت جناب غامدی صاحب کی طرف کی ہے۔ منظور الحسن صاحب لکھتے ہیں:

''دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف ''میزان'' کے صفحہ ۴۷ پر ''دین کی آخری کتاب'' کے زیر عنوان ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔'' (ماہنامہ اشراق، مارچ ۲۰۰۴، ۱۱)

جناب منظور الحسن صاحب نے واضح لکھا ہے کہ غامدی صاحب کی ''میزان'' کی عبارت کو کوئی صاحب صرف ان کا فلسفہ نہ سمجھے، بلکہ یہ ان کے مصادر شریعت ہیں۔ جبکہ اسی رسالے کے شروع میں کہ جس میں منظور الحسن صاحب کی مذکورہ بالا عبارت شائع ہوئی، یہ عبارت بھی موجود ہے:

''یہ مضمون استاذ گرامی کے افادات پر مبنی ہے اور انھی کی رہنمائی میں تحریر کیا گیا ہے۔''

(ماہنامہ اشراق، مارچ ۲۰۰۴، ۱۱)

ماہنامہ ''اشراق'' کی یہ عبارتیں وضاحت کرتی ہیں کہ منظور الحسن صاحب نے یہ عبارت لکھتے وقت اپنے استاد محترم سے نہ صرف بذریعہ ''میزان'' تحریری رہنمائی لی، بلکہ قولی رہنمائی بھی لی۔

۴۔ چوتھی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ۲۰۰۴ء میں منظور الحسن صاحب کی یہ عبارت ''اشراق'' میں شائع ہوئی کہ غامدی صاحب کے مآخذ دین چار ہیں اور ان میں سے ایک 'فطرت' بھی ہے لیکن ابھی تک جناب غامدی صاحب کی طرف سے کوئی ایسی تردید نہیں آئی کہ جس میں انھوں نے یہ لکھا ہو کہ میرے شاگرد رشید نے جو میرے چار مآخذ دین گنوائے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا شاگرد رشید میری کتاب ''میزان'' کی عبارت کو سمجھ نہیں سکا اور اس کو سمجھنے میں وہ کج فہمی کا شکار رہا ہے۔

۵۔ پانچویں بات یہ ہے کہ جناب منظور الحسن صاحب سے گزارش ہے کہ وہ اپنی اس عبارت کا مفہوم اپنے استاد محترم کے درج ذیل اصول کی روشنی میں اگر متعین کریں تو نہ وہ خود کج فہم رہیں گے اور نہ مجھ پر کج فہمی کا الزام عائد کر سکیں گے۔ جناب غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''ہم جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں، اس اعتماد کے ساتھ بولتے اور لکھتے ہیں کہ دوسرے اس سے وہی کچھ سمجھیں گے جو ہم کہنا چاہتے ہیں، دنیا میں ہر روز جو دستاویزات لکھی جاتی ہیں، جو فیصلے سنائے جاتے ہیں، جو احکام جاری کیے جاتے ہیں، جو اطلاعات بہم پہنچائی جاتی ہیں اور جن علوم کا ابلاغ کیا جاتا ہے، ان کے بارے میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال اگر پیدا ہو جائے کہ ان الفاظ کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی نہیں ہے تو ان میں سے ہر چیز بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ یہ نقطۂ نظر نری سوفسطائیت ہے جس کے لیے علم کی دنیا میں ہرگز کوئی گنجایش پیدا نہیں کی جا سکتی۔'' (میزان ۳۴)

غامدی صاحب کے اس اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جناب منظور الحسن صاحب کی یہ عبارت

''دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف ''میزان'' کے صفحہ ۴۷ پر ''دین کی آخری

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

کتاب'' کے زیرعنوان ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔''

اس مسئلے میں نص قطعی ہے کہ غامدی صاحب کے مآخذ دین چار ہیں کہ جن میں سے ایک 'فطرت' بھی ہے۔

۶۔ جہاں تک آیت مبارکہ 'یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث' میں 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی تعیین کا مسئلہ ہے کہ ان کی تعیین کس طرح ہو گی؟ اس کو ان شاء اللہ غامدی صاحب کی ہی ''اصول و مبادی'' میں موجود ''مبادی تدبر قرآن'' کی روشنی میں ایک مستقل مضمون میں واضح کروں گا۔ اصحاب ''المورد'' کا مسئلہ یہ ہے کہ جب چاہتے ہیں کسی مسئلے میں امت کی اتفاقی رائے کو نظر انداز کر کے اہل سنت کے بالمقابل ایک منفرد رائے قائم کر لیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں فقہا کی شاذ آرا کو اپنے موقف کی تائید کے لیے بطور ڈھال استعمال کر لیتے ہیں۔ جن فقہا کے جناب منظور الحسن صاحب نے 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی تفسیر کرتے وقت حوالے دیے ہیں، اگر ان فقہا کا فہم ان کے نزدیک حجت ہے تو مسئلۂ رجم، حضرت عیسیٰ بن مریم کی آمد ثانی، عورت کے دوپٹے، مجسمہ سازی، مرتد کی سزا اور قراءات قرآنیہ کے بارے میں ان فقہا کے فہم پر یہ لوگ اعتماد کیوں نہیں کرتے؟ جہاں تک دلیل کی بات ہے تو جناب منظور الحسن صاحب نے کوئی ایسی بات بیان نہیں کی کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی تفسیر میں انھوں نے جن فقہا کی آرا بیان کی ہیں، ان کے دلائل یہ ہیں۔ میں ان شاء اللہ واضح کروں گا کہ غامدی صاحب کی فکر اور ان فقہا کی آرا میں کیا فرق ہے کہ جن کے حوالے جناب منظور الحسن صاحب نے بیان کیے ہیں اور یہ بھی ثابت کروں گا کہ آپ نے 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی جو تفسیر فقہا کے اقوال کی روشنی میں بیان کی ہے، وہ تفسیر اس تفسیر سے بالکل مختلف ہے جو کہ آپ کے ''مبادی تدبر قرآن'' کی روشنی میں سامنے آتی ہے۔

۷۔ آخر میں، میں جناب منظور الحسن صاحب سے گزارش کروں گا کہ اگر آپ واقعۃً اس بحث کو کسی نتیجے پر پہنچانا چاہتے ہیں تو ان ادھر ادھر کی تاویلات میں پڑ کر بحث کو طویل کرنے اور الجھانے کی بجائے درج ذیل تین آپشنز پر غور کریں:

ا۔ اگر تو غامدی صاحب ''الشریعہ'' کے کسی شمارے میں یہ لکھ دیں کہ ماہنامہ ''اشراق'' مارچ ۲۰۰۴ میں جناب منظور الحسن صاحب نے میری نسبت سے جو چار مصادر دین بیان کیے ہیں، اس میں وہ غلط فہمی کا شکار ہیں اور میں ان کی اس عبارت سے متفق نہیں ہوں تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ب۔ یا جناب سید منظور الحسن صاحب خود یہ لکھ دیں کہ میری ماہنامہ ''اشراق'' مارچ ۲۰۰۴ میں شائع شدہ عبارت منسوخ ہے، پہلے میرا خیال یہ تھا کہ غامدی صاحب کے مصادر دین چار ہیں، لیکن اب مجھ پر واضح ہوا ہے کہ 'فطرت'

ان کے مصادر دین میں سے نہیں ہے۔

ج۔ یا سید منظور الحسن صاحب مجھے کم از کم غامدی صاحب کے بارے میں اتنا لکھنے کی اجازت دیں جتنا کہ خود انھوں نے لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

''دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔''

اور چوتھی اور آخری صورت وہ ہے کہ جو جناب منظور الحسن صاحب عملاً کر رہے ہیں کہ اس بحث کو اتنا طویل کر دو اور الجھا دو کہ قارئین کے ذہن منتشر ہو جائیں اور اصل نکتے تک کوئی نہ پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حق بات کی طرف رہنمائی فرمائے۔ آمین

حافظ محمد زبیر

ریسرچ ایسوسی ایٹ، قرآن اکیڈمی، لاہور

hmzubair2000@yahoo.com

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

منظور الحسن

غامدی صاحب کا تصور فطرت ـــــ چند توضیحات

www.javedahmadghamidi.com

''قرآن اکیڈمی'' کے ریسرچ ایسوسی ایٹ حافظ محمد زبیر صاحب نے جناب جاوید احمد غامدی کی تصنیف ''اصول و مبادی'' کے بعض اصولی تصورات پر تنقیدی مضامین تحریر کیے تھے۔ یہ مضامین پہلے ماہنامہ ''الشریعہ'' میں شائع ہوئے اور بعدازاں ''فکر غامدی، ایک تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ'' کے زیرعنوان کتابی صورت میں طبع ہوئے۔ یہ کل تین مضامین تھے جن میں سے پہلے کا عنوان ''جاوید احمد غامدی کا تصور فطرت'' تھا اور اس میں خیر وشر کے فطری الہام کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف پر تنقید کی گئی تھی۔ اس مضمون کے جواب میں ہم نے ایک مفصل مضمون تحریر کیا تھا جس میں عقل ونقل کے دلائل کی بنا پر جملہ تنقیدی نکات کے سقم کو واضح کیا تھا۔ ہمارا یہ مضمون ماہنامہ ''الشریعہ'' کے جولائی ۲۰۰۷ کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس کے جواب میں ہمیں یہ توقع تھی کہ زبیر صاحب کو اگر ہمارے تجزیے سے اتفاق ہوا تو وہ کسی تعصب کے بغیر اس کا اظہار کریں گے اور اگر اختلاف ہوا تو ہمارے دلائل کی تردید میں اپنا استدلال پیش کریں گے۔ ہمارے لیے یہ بات باعث تعجب ہے کہ اس کے جواب میں جو تحریر لکھی گئی ہے، اس میں ہمارے دلائل اور ہماری توضیحات کے بارے میں کامل خاموشی کا رویہ اختیار کیا گیا ہے۔

قارئین کی یاددہانی کے لیے اس علمی مکالمے کے جملہ نکات حسب ذیل ہیں جو فاضل ناقد کی نظرعنایت سے محروم رہے ہیں:

۱۔ فاضل ناقد کی بنیادی تنقید یہ تھی کہ سورۂ شمس کی آیت 'فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا' سے غامدی صاحب نے یہ غلط مفہوم اخذ کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے خیر وشر کا احساس اور شعور انسان کی فطرت میں ودیعت ہے جس کی بدولت

وہ نیکی اور بدی سے پوری طرح شناسا ہے۔

اس کے جواب میں ہم نے غامدی صاحب کے موقف کی اساسات کو نہایت تفصیل سے بیان کیا تھا اور یہ گزارش کی تھی کہ نیکی و بدی کے شعور کا انسانی فطرت میں ودیعت ہونا سورۂ شمس کی مذکورہ آیات کے علاوہ سورۂ اعراف کی آیت ۲۲، سورۂ دہر کی آیت ۳، سورۂ بلد کی آیت ۱۰ اور سورۂ قیامہ کی آیات ۱۴۔۱۵ سے بھی واضح ہے۔ ہم نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ بنیادی طور پر یہ غامدی صاحب کی کوئی منفرد رائے نہیں ہے، سلف و خلف کے متعدد جلیل القدر علما بھی اسی رائے کے قائل ہیں۔ اس ضمن میں ہم نے حضرت شاہ ولی اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسے جلیل القدر علماے امت کے اقتباسات نقل کیے تھے۔

فاضل ناقد کی تحریر میں ہمارے اس جواب پر کوئی تبصرہ نہیں ہے۔

۲۔ فاضل تنقید نگار نے انسان کی فطرت میں نیکی و بدی کے شعور کی نفی کے لیے نصوص کی بنا پر تین دلائل پیش کیے تھے: ان کی پہلی دلیل یہ تھی کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۳۸ اور سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۲۳ میں 'مِّنِّیْ هُدًی' کے الفاظ سے واضح ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کو دنیا میں بھیجنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کے ذریعے سے انسان کو نیکی اور بدی سے روشناس کرایا۔

اس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا کہ بنی آدم کے لیے روز اول سے سلسلۂ وحی جاری کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان کا فطری علم کسی بھی درجے میں اس کی رہنمائی نہیں کر سکتا اور یہ کہ انسان ہر معاملے میں 'وحی' ہی کی رہنمائی کا محتاج ہے۔ اس ضمن میں ہم نے سورۂ اعراف (۷) کی آیت ۲۲ کی بنا پر یہ بیان کیا تھا کہ جنت میں ممنوعہ پھل کھانے کے نتیجے میں جب آدم و حوا کے ستر ان پر کھل گئے تو انھوں نے فوراً اپنے آپ کو پتوں سے ڈھانپنے کی کوشش کی۔ قرآن مجید سے واضح ہے کہ ایسا انھوں نے کسی باقاعدہ 'حکم' کی تعمیل میں نہیں، بلکہ شرم و حیا کے اس فطری احساس کی بنا پر کیا تھا جو اللہ نے ان کی فطرت میں ودیعت کر رکھا تھا۔ اس موقف کی تائید میں ہم نے علماے امت کی تحریریں بھی نقل کی تھیں۔

ہمارے اس جواب پر بھی مذکورہ تحریر میں کوئی تبصرہ نہیں ہے۔

۳۔ انسان کی فطرت میں نیکی و بدی کے شعور کی نفی کے لیے فاضل تنقید نگار کی دوسری دلیل یہ تھی کہ سورۂ نحل (۱۶) کی آیت ۷۸ میں بیان ہوا ہے کہ 'اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کی ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے'۔ اس بنا پر انھوں نے یہ استدلال کیا تھا کہ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو وہ نیکی و بدی کے شعور سے بے بہرہ ہوتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اس پر ہم نے لکھا تھا کہ سورۂ نحل کی جس آیت (اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡ بُطُوۡنِ اُمَّھٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا) سے فطری رہنمائی کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے، اس کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ یہاں انسان کے اندرون یعنی اس کے وجدان اوراس کے نفسی، روحانی اور فطری وجود کا مسئلہ سرے سے زیر بحث ہی نہیں ہے۔ یہاں اس کا بیرون زیر بحث ہے جس سے وہ اپنی عقل، اپنے حواس اوراپنی سماعت و بصارت کے ذریعے سے متعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے خیر وشر کے اس فطری الہام کی نفی ثابت کرنا درست نہیں ہے جس کا ذکر سورۂ شمس کی آیت 'فَاَلۡھَمَھَا فُجُوۡرَھَا وَتَقۡوٰھَا' میں کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ہم نے ''تفسیر ابن کثیر''، ''تفسیر عثمانی''، ''تدبر قرآن'' اور ''تفہیم القرآن'' کے اقتباسات نقل کر کے یہ بات واضح کی تھی کہ مذکورہ آیت میں انسان کی پیدایش کے وقت اس علم کی نفی ہوئی ہے جو اسے حواس اور مشاہدات کے ذریعے سے خارجی دنیا کے بارے میں حاصل ہوتا ہے، اس کے فطری علم کی یہاں ہرگز نفی نہیں کی گئی۔

اس جواب پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

۴۔ انسان کی فطرت میں نیکی وبدی کے شعور کی نفی کے لیے تیسری دلیل کے طور پر فاضل تنقید نگار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا نقل کی تھی کہ 'اللّٰھم آت نفسی تقواھا'، ''پروردگار، میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما۔'' اس پر انھوں نے لکھا تھا کہ اگر 'فجور' اور 'تقویٰ' انسانی فطرت میں داخل تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے اللہ سے مانگنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ گویا اگر نفس کا تقویٰ انسان کو فطری طور پر ودیعت ہوتا تو آپ اسے اللہ تعالیٰ سے ہرگز طلب نہ کرتے۔

اس ضمن میں ہم نے گزارش کی تھی کہ یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ دعا سے اس چیز کی عدم دستیابی لازم آتی ہے جس چیز کے لیے دعا مانگی جا رہی ہے۔ بلاشبہ ناحاصل کے لیے دعا مانگی جاتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم حاصلات کے لیے بھی پروردگار کے حضور میں دست دعا بلند کرتے ہیں۔ اس سے مقصود اس حاصل میں ازدیاد اوراس کا دوام واستمرار ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر صالح مسلمان صراط مستقیم پر گام زن رہنے کے باوجود دن میں کم سے کم پانچ مرتبہ 'اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ' کی دعا مانگتا ہے۔

ہمارا یہ جواب بھی فاضل ناقد کے تبصرے سے محروم ہے۔

۵۔ فاضل ناقد نے اپنے مضمون میں یہ الزام لگایا تھا کہ غامدی صاحب نے انسانی فطرت کو حلال وحرام کا اختیار تفویض کر کے اسے شارع بنا دیا ہے اوراس طرح نعوذ باللہ اسے اللہ کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔

اس کے جواب میں ہم نے کہا تھا کہ یہ بات بدیہی طور پر سوء فہم پر مبنی ہے کہ فطری علم کی روشنی میں طیبات و

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

خبائث کی تعیین تحلیل وتحریم کے زمرے میں آتی ہے اور یہ بات انسان کو شارع کے منصب پر فائز کرنے کے مترادف ہے۔ہم نے عرض کیا تھا کہ یہ چیز اگر فطرت کے مستقل ماخذ دین قرار پانے یا انسان کے تحلیل وتحریم کے منصب پر فائز ہونے کو مستلزم ہے تو اس 'جرم' میں جمہور فقہا بھی غامدی صاحب کے ساتھ پوری طرح شریک ہیں۔

اس جواب پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

۶۔فاضل تنقید نگار نے ایک الزام یہ بھی لگایا تھا کہ غامدی صاحب ہر انسان کو تو حلال وحرام کا فیصلہ کرنے کا حق دیتے ہیں، مگر نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا حق تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں ہم نے واضح کیا تھا کہ جس دائرے میں قرآن نے چار چیزوں کی حرمت بیان کی ہے، اس پر اضافے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات میں ان محرمات میں کوئی اضافہ نہیں کیا، بلکہ اس سے مختلف ایک دوسرے دائرے میں بعض جانوروں کی حرمت کو واضح کیا ہے۔اس ضمن میں آپ کے ارشادات اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے جانوروں کی حرمت کے بارے میں فقہا کے فیصلے، دونوں خبائث کی حرمت کے اس اصول پر مبنی ہیں جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے، لہٰذا قرآن کی بیان کردہ حرمتوں پر اضافے کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہ ماننے اور عام انسانوں کے لیے تسلیم کرنے کا اعتراض بالکل بے معنی ہے۔اس ضمن میں ہم نے امام شافعی کی کتاب ''الام''، فقہ حنفی کی شہرۂ آفاق کتاب ''بدائع الصنائع''، ابن قتیبہ کی ''تاویل مختلف الحدیث''، فقہ حنبلی کی نمائندہ کتاب ''المغنی'' اور ابن حزم کی ''المحلیٰ'' کے اقتباسات نقل کر کے یہ واضح کیا تھا کہ جانوروں کی حلت وحرمت کے معاملے میں طیبات اور خبائث کو بنیادی اصول قرار دینا غامدی صاحب کی کوئی منفرد رائے نہیں ہے، بلکہ جمہور فقہا بھی اسی رائے کے قائل ہیں۔

اس جواب پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

۷۔فاضل ناقد نے یہ نکتہ بھی پیدا کیا تھا کہ انسانی فطرت کو خبیث وطیب کے تعین کا اختیار دینے کے نتیجے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسانوں کے مختلف گروہ اپنے اپنے فطری میلان کی بنا پر ایک دوسرے سے مختلف نتائج پر پہنچیں تو ان میں سے ترک واختیار کا فیصلہ کس اصول کی بنا پر کیا جائے گا؟ انھوں نے اس سوال کا از خود یہ جواب وضع کر کے کہ اس کا فیصلہ انسانی فطرت سے ہوگا، اسے جناب جاوید احمد غامدی کی نسبت سے بیان کیا تھا۔

اس پر ہم نے یہ توجہ دلائی تھی کہ غامدی صاحب سے اس بات کی نسبت صریح طور پر غلط ہے اور یہ واضح کیا تھا کہ غامدی صاحب نے نہایت صراحت سے اپنی تصنیف ''اصول ومبادی'' میں یہ بات بیان کی ہے کہ اختلاف کی

صورت میں ذریت ابراہیم کا رجحان فیصلہ کن ہوگا، کیونکہ معروف ومنکر سے متعلق ان کے رجحانات کو گویا انبیا کی تصویب حاصل ہے۔

اس جواب پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

۸۔فاضل ناقد نے اپنی بحث کے آخر میں ''غامدی صاحب کا اپنے اصولوں سے انحراف'' کی سرخی قائم کی تھی اور اس کی مثال کے طور پر ڈاڑھی کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا حوالہ دیتے ہوئے یہ تضاد بیان کیا تھا کہ ایک جانب غامدی صاحب فطرت کو دین قرار دیتے ہیں اور دوسری جانب ڈاڑھی جیسی فطری چیز کو دائرۂ دین میں شامل ہی نہیں کرتے۔

اس پر ہم نے عرض کیا تھا کہ اس مثال سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فاضل تنقید نگار 'فطرت' اور 'سنت' کے مفہوم اور ان کے الگ الگ دائروں کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کو سمجھنے سے بالکل قاصر رہے ہیں۔ وہ مقدمہ تو یہ قائم کر رہے ہیں کہ ''ڈاڑھی غامدی صاحب کے اصول فطرت سے ثابت ہے'' اور اس سے نتیجہ یہ اخذ کر رہے ہیں کہ ڈاڑھی دین کا ایک حکم ہے اور پھر غامدی صاحب پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انھوں نے ''اپنے اصول فطرت کی مخالفت اختیار کرتے ہوئے داڑھی کو دین سے خارج قرار دیا ہے۔'' ہم نے گزارش کی تھی کہ ڈاڑھی کے ایک فطری چیز ہونے سے غامدی صاحب نے ہرگز انکار نہیں کیا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا اس فطری چیز کو شریعت نے باقاعدہ دینی رسم کی حیثیت دی ہے یا نہیں؟

اس جواب پر بھی مذکورہ مضمون میں کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

یہ فاضل ناقد کی تنقیدات اور ان پر ہمارے جوابات کا خلاصہ ہے۔ فاضل ناقد نے اپنی تازہ تحریر میں ان میں سے کسی نکتے پر کلام کرنا تو پسند نہیں کیا، البتہ ان کے بارے میں ایک جامع کلمہ ارشاد فرما کر بحث کو سمیٹ دینے کی ہدایت کی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

> ''...میں جناب منظور الحسن صاحب سے گزارش کروں گا کہ اگر آپ واقعۃً اس بحث کو کسی نتیجے پر پہنچانا چاہتے ہیں تو اس ادھر ادھر کی تاویلات میں پڑ کر بحث کو طویل کرنے اور الجھانے کی بجائے درج ذیل تین آپشنز پر غور کریں:
>
> الف) اگر تو غامدی صاحب 'الشریعۃ' کے کسی شمارے میں یہ لکھ دیں کہ ماہنامہ 'اشراق' مارچ ۲۰۰۴ء میں جناب منظور الحسن صاحب نے میری نسبت سے جو چار مصادر دین بیان کیے ہیں، اس میں وہ غلط فہمی کا شکار ہیں اور میں ان کی اس عبارت سے متفق نہیں ہوں تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ب) یا جناب سید منظور الحسن صاحب خود یہ لکھ دیں کہ میری ماہنامہ 'اشراق' مارچ ۲۰۰۴ء میں شائع شدہ عبارت منسوخ ہے، پہلے میرا خیال یہ تھا کہ غامدی صاحب کے مصادر دین چار ہیں لیکن اب مجھ پر واضح ہوا ہے کہ 'فطرت' ان کے مصادر دین میں سے نہیں ہے۔

ج) یا سید منظور الحسن صاحب مجھے کم از کم غامدی صاحب کے بارے میں اتنا لکھنے کی اجازت دیں جتنا کہ خود انھوں نے لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ

''دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔''

اور چوتھی اور آخری صورت وہ ہے کہ جو جناب منظور الحسن صاحب عملاً کر رہے ہیں کہ اس بحث کو اتنا طویل کر دو اور الجھا دو کہ قارئین کے ذہن منتشر ہو جائیں اور اصل نکتے تک کوئی نہ پہنچ سکے۔''

(ماہنامہ الشریعہ اگست ۲۰۰۷، ۴۵)

''ادھر ادھر کی تاویلات'' اور ''تین آپشنز'' ـــــ یہ اس بحث کا انجام ہے جو ''فکر غامدی ایک تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ'' کے نام سے شروع ہوئی تھی۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ ''ادھر ادھر کی تاویلات'' کے نام سے موسوم ہونے والی اور ''تین آپشنز'' تک محدود رہ جانے والی اس بحث کا آغاز بھی فاضل ناقد نے کیا تھا اور اس کے تمام تنقیدی نکات کا انتخاب بھی ان کی اپنی صواب دید پر مبنی تھا۔ یہ بحث جن دعووں کے ساتھ شروع کی گئی تھی، قارئین ان کے تناظر میں بھی فاضل ناقد کے جواب الجواب کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ ''فکر غامدی، ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ'' کے 'پیش لفظ' اور 'عرض مولف' میں لکھا گیا تھا:

''علامہ غامدی کے فکری تفردات اور تجدد پسندانہ نظریات آج کل علمی حلقوں میں بحث و نزاع کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔ اسلام کے روشن خیال، اعتدال پسند اور جدید ایڈیشن کو چونکہ یہ نظریات بہت اپیل کرتے ہیں اس لیے علامہ صاحب کو ایسے حلقوں میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ ان حالات کا نوٹس لیتے ہوئے دینی حلقوں میں تقریباً ہر طرف سے ان کے افکار کے خلاف تنقیدی مضامین لکھے گئے ہیں۔ لیکن حافظ زبیر صاحب کے یہ مضامین اس لحاظ سے سب سے منفرد ہیں کہ ان میں ان اصولوں سے بحث کی گئی ہے جن پر علامہ صاحب کے متجددانہ نظریات کی اساس ہے۔ گویا جن شاخوں پر اسلام کے اس جدید ایڈیشن کا آشیانہ تعمیر کیا گیا ہے، حافظ صاحب موصوف نے ان کی جڑوں پر تیشہ رکھ دیا ہے۔'' (۵)

''ہماری اس کتاب کا اصل مقصد بھی غامدی صاحب کے افکار کی روشنی میں سامنے آنے والے اعتزال جدید کی کج فہمیوں کو اہل سنت کے اصولوں کی روشنی میں واضح کرنا ہے۔'' (۱۵)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

سوال یہ ہے کہ ''ادھرادھر کی تاویلات'' کا حکم لگا کر اور ''تین آپشنز'' کی راہ دکھلا کر مذکورہ علمی مباحث سے جو گریز کیا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ فاضل ناقد نے غامدی صاحب کے تصور فطرت پر اپنی تنقیدات سے رجوع کر لیا ہے؟ اگر اس کے یہی معنی ہیں تو فاضل ناقد کی جانب سے اس کا برملا اظہار ہی حق پرستی کا تقاضا ہے۔ کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ فاضل ناقد کو ہمارے پیش کردہ دلائل سے اتفاق نہیں ہے؟ اگر یہ بات ہے تو انھیں ''ادھرادھر کی تاویلات'' میں پڑنے کے بجائے ہمارے دلائل کی تردید میں اپنا استدلال پیش کرنا چاہیے۔ ــــــ یہی علم ہے، یہی اخلاق ہے اور یہی دین ہے۔ لیکن اگر صورت یہ ہے کہ میرے پاس آپ کے استدلال کا جواب بھی نہیں ہے اور اپنے موقف کی مدافعت میں کوئی دلیل بھی نہیں ہے اور اس کے باوجود میں آپ کی بات کو غلط کہنے اور اپنی بات کو صحیح کہنے پر اصرار کرتا ہوں اور مستزاد یہ کہ میرا یہ رویہ کسی دنیوی معاملے میں نہیں، بلکہ اللہ کے دین کے معاملے میں ہے تو پھر مجھے اس دن کے بارے میں متنبہ رہنا چاہیے جس دن ہمارے ہر قول و فعل کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

فاضل ناقد نے ''جاوید احمد غامدی کا تصور فطرت'' کے زیر عنوان اپنے تنقیدی مضمون میں غامدی صاحب کے اس موقف کو قرآنی نصوص کے خلاف قرار دیا تھا کہ جانوروں کی حلت و حرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً چار ہی چیزیں ہیں اور ان کے علاوہ باقی تمام چیزوں کا فیصلہ طیبات کی حلت اور خبائث کی حرمت کے اصول کے مطابق انسانی فطرت کی روشنی میں کیا جائے گا۔ غامدی صاحب کے اس موقف پر فاضل ناقد نے یہ تبصرہ کیا تھا کہ ''فطری محرمات کا اصول وضع کر کے غامدی صاحب نے دین میں ایک نئے فتنے کی بنیاد رکھ دی ہے۔'' اس تنقید و تبصرے کے جواب میں ہم نے اپنے مضمون میں نہایت تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کی تھی کہ غامدی صاحب کا مذکورہ موقف قرآن مجید کی آیات 'قُل لَّآ أَجِدُ فِيۡ مَا أُوۡحِيَ إِلَيَّ' (الانعام ۶: ۱۴۵)، 'إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ' (البقرہ ۲: ۱۷۳)، 'أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ' (المائدہ ۵: ۴) اور 'وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبَآئِثَ' (الاعراف ۷: ۱۵۷) پر مبنی ہے اور ہمارے جلیل القدر علما نے بھی فطرت کی روشنی میں طیبات کی حلت اور خبائث کی حرمت ہی کو اصل الاصول قرار دیا ہے۔ فاضل ناقد نے اپنی جوابی تحریر میں اس بحث پر ہمارے دلائل سے تو کوئی تعرض نہیں کیا، البتہ اس بحث کے حوالے سے بعض اضافی باتوں پر مبنی ایک تقریر ارشاد فرمائی ہے۔ ان کی یہ تقریر حسب ذیل ہے:

''جہاں تک آیت مبارکہ 'یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث' میں 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی تعیین کا مسئلہ ہے کہ ان کی تعیین کس طرح ہوگی؟ اس کو ان شاء اللہ غامدی صاحب کے ہی اصول و مبادی میں موجود مبادی تدبر قرآن کی روشنی میں ایک مستقل مضمون میں واضح کروں گا۔ اصحاب المورد کا مسئلہ یہ

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ہے کہ جب چاہتے ہیں کسی مسئلے میں امت کی اتفاقی رائے کونظرانداز کر کے اہل سنت کے بالمقابل ایک منفرد رائے قائم کر لیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں فقہاء کی شاذ آراء کو اپنے موقف کی تائید کے لیے بطور ڈھال استعمال کر لیتے ہیں۔جن فقہاء کے جناب منظورالحسن صاحب نے 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی تفسیر کرتے وقت حوالے دیے ہیں اگر ان فقہاء کا فہم ان کے نزدیک حجت ہے تو مسئلۂ رجم، حضرت عیسیٰ بن مریم کی آمد ثانی، عورت کے دوپٹے، مجسمہ سازی، مرتد کی سزا اور قراءات قرآنیہ کے بارے میں ان فقہاء کے فہم پر یہ لوگ اعتماد کیوں نہیں کرتے؟ جہاں تک دلیل کی بات ہے تو جناب منظورالحسن صاحب نے کوئی ایسی بات بیان نہیں کی کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی تفسیر میں انھوں نے جن فقہاء کی آراء بیان کی ہیں، ان کے دلائل یہ ہیں۔میں ان شاء اللہ واضح کروں گا کہ غامدی صاحب کی فکر اور ان فقہاء کی آراء میں کیا فرق ہے کہ جن کے حوالے جناب منظورالحسن صاحب نے بیان کیے ہیں اور یہ بھی ثابت کروں گا کہ آپ نے 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی جو تفسیر فقہاء کے اقوال کی روشنی میں بیان کی ہے، وہ تفسیر اس تفسیر سے بالکل مختلف ہے جو کہ آپ کے مبادی تدبر قرآن کی روشنی میں سامنے آتی ہے۔'' (الشریعہ، اگست ۲۰۰۷، ۴۵)

یہ تقریر فاضل ناقد کے چند تبصروں کا مجموعہ ہے۔ایک تبصرہ یہ ہے کہ اہل ''المورد'' جب چاہتے ہیں امت کی متفقہ رائے کو نظرانداز کر کے اس کے مقابل میں منفرد رائے قائم کر لیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں فقہا کی شاذ آرا کو اپنے موقف کی تائید کے لیے بطور ڈھال استعمال کر لیتے ہیں۔

اس تبصرے پر بصد ادب ہمارے دو سوال ہیں۔ایک سوال یہ ہے کہ ''جب چاہتے ہیں'' کے الفاظ سے کیا مراد ہے؟ اہل ''المورد'' کی جو آرا فاضل ناقد نے تنقید کے لیے منتخب کی ہیں، کیا اہل ''المورد'' نے انھیں عقل و نقل کے دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر علم و اخلاق کی رو سے ''جب چاہتے ہیں'' کا فتویٰ صادر کرنے کی کیا گنجایش ہے؟ اس صورت میں کیا واحد راستہ یہ نہیں ہے کہ زیر تنقید رائے کے دلائل کو چیلنج کر کے ان کی غلطی کو واضح کیا جائے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ''فقہاء کی شاذ آراء کو اپنے موقف کی تائید کے لیے بطور ڈھال استعمال کر لینے'' کے کیا معنی ہیں؟ ''شاذ آراء'' کی اس تعبیر کا مصداق اگر امام رازی، علامہ آلوسی، مفتی محمد شفیع اور مولانا مودودی جیسے مفسرین اور امام شافعی، علامہ کاسانی حنفی، امام ابن قتیبہ، ابن قدامہ حنبلی اور ابن حزم جیسے فقہا کے وہ حوالے ہیں جنھیں ہم نے اپنے موقف کی تائید میں نقل کیا ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ فاضل ناقد لغت میں سے ''شاذ'' کے معنی و مفہوم کو تبدیل کر دیں۔بصورت دیگر، انھیں یہ بتانا ہو گا کہ وہ کون کون سے علما و فقہا ہیں کہ جن کے حوالے اگر پیش کر دیے جائیں تو

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

مذکورہ رائے ''شاذ'' کے دائرے سے نکل کر معروف، متداول یا متفق علیہ قرار پا سکتی ہے۔

فاضل ناقد نے اپنی اس تقریر میں دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی شرح و تفسیر میں جن علما و فقہا کے حوالے دیے گئے ہیں، اگر ان کا فہم ہمارے لیے حجت ہے تو رجم کی سزا، ارتداد کی سزا، نزول مسیح، تصویر کا جواز اور قراءتوں کے اختلاف جیسے مسائل پر بھی ہمیں ان علما و فقہا کے فہم پر اعتماد کرنا چاہیے۔

فاضل ناقد کی اس بات کے معنی یہ ہیں کسی صاحب علم کی اگر ایک رائے قبول کی ہے تو لازم ہے کہ اس کی باقی آرا کو بھی قبول کیا جائے ـــــ ہمیں افسوس ہے کہ علم و استدلال کی دنیا میں اس مطالبے کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔ جن اصحاب علم کے لیے یہ استحقاق طلب کیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے خود بھی کبھی اس کا مطالبہ نہیں کیا۔ انھوں نے ہمیشہ فرد کے بجائے اس کے موقف اور اس موقف کے استدلال کو موضوع بنایا۔ جو رائے بھی انھوں نے پیش کی، دلیل کی بنا پر پیش کی اور امام شافعی کے الفاظ میں، اس تواضع کے ساتھ پیش کی کہ میں اپنی بات کو صحیح کہتا ہوں، مگر اس میں غلطی کا امکان تسلیم کرتا ہوں اور اس کے برعکس بات کو غلط کہتا ہوں، مگر اس میں صحت کا امکان تسلیم کرتا ہوں۔ انھوں نے ہمیشہ یہ درس دیا کہ دین کے معاملے میں حجت کی حیثیت ان کے وجود یا ان کے فہم کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ یہ مرتبہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو حاصل ہے کہ ہر حال میں اس کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے۔ سلف صالحین کا یہی منہج ہے جسے بعد میں آنے والوں نے بھی پوری ذمہ داری کے ساتھ اختیار کیا اور اس میں کبھی تامل نہیں کیا کہ اگر ایک معاملے میں طبری اور ابن کثیر کی رائے قبول کی ہے تو دوسرے معاملے میں رازی اور زمخشری کی رائے کو اختیار کیا جائے۔ ایک مسئلے میں امام ابوحنیفہ کے قول کو ترجیح دی ہے تو دوسرے مسئلے میں امام مالک، امام شافعی یا امام احمد بن حنبل کے موقف کو اپنایا جائے۔ انھوں نے اس سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا کہ اگر سلف و خلف کی آرا میں سے کوئی رائے بھی لائق التفات نہیں ہے تو عقل و نقل کی بنا پر اپنی رائے کو پیش کر دیا جائے۔ اہل علم کی یہی روایت ہے جسے دور جدید میں علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے پوری شان کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔ ''المورد'' بھی اسی روایت کے دوام اور استحکام کا داعی ہے۔

فاضل ناقد نے اپنی تقریر میں تیسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ 'الطیبات' اور 'الخبائث' کی تفسیر میں جو حوالے نقل کیے گئے ہیں، ان میں آرا کے دلائل بیان نہیں ہوئے۔

اس بات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ناقد مذکورہ بحث میں ہمارے پیش کردہ حوالوں کا توجہ سے مطالعہ

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

نہیں کر سکے۔ ان حوالوں میں ہم نے امام رازی کی ''تفسیر کبیر'' کے دو اقتباسات نقل کیے تھے جن میں زبان و بیان کے دلائل کی بنا پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ 'طیبات' اور 'خبائث' سے مراد وہ چیزیں ہیں جنھیں انسان کی فطرت پسند کرتی یا جن سے ابا کرتی ہے۔ امام رازی کے یہ اقتباسات حسب ذیل ہیں:

ویحل لهم الطیبات: من الناس من قال المراد بالطیبات الأشیاء التی حکم اللّٰه بحلها وهذا بعید لوجهین: الاول: ان علی هذا التقدیر تصیر الآیة ویحل لهم المحلات وهذا محض التکریر. الثانی: ان علی هذا التقدیر تخرج الآیة عن الفائدة، لانا لا ندری ان الاشیاء التی احلها اللّٰه ما هی وکم هی؟ بل الواجب ان یکون المراد من الطیبات الاشیاء المستطابة بحسب الطبع وذلك لا ان تناولها یفید اللذة، والاصل فی المنافع الحل فکانت هذه الآیة دالة علی ان الاصل فی کل ما تستطیبه النفس ویستلذه الطبع الحل الا لدلیل منفصل.

...واقول: کل ما یستخبثه الطبع وتستقذره النفس کان تناوله سببا للألم. (تفسیر کبیر ۱۵/ ۲۴)

''ویحل لهم الطیبات: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ طیبات سے مراد وہ اشیا ہیں جن کے حلال ہونے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، مگر یہ بات دو پہلووں سے بعید ہے۔ ایک یہ کہ اگر اس کا معنی یہ ہوتا تو پھر الفاظ یہ ہوتے کہ 'ویحل لهم المحلات' (اور پیغمبر ان کے لیے حلال چیزوں کو حلال ٹھہراتا ہے) اور یہ محض تکرار ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ معنی لینے سے آیت فائدے سے خالی ہو جاتی ہے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ جن اشیا کو اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے، وہ کیا ہیں اور کتنی ہیں۔ لازم ہے کہ طیبات سے مراد وہ چیزیں ہوں جو طبیعت کو اچھی لگیں اور جن کو کھانے میں لذت کا فائدہ حاصل ہو۔ منافع میں اصل چیز حلت ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو نفس کو پاکیزہ لگے اور طبیعت کو لذت دے، وہ حلال ہے اور ہر وہ چیز جو نفس کو ناپاک لگے اور طبیعت اس کو ناپسند کرے، وہ حرام ہے، سوائے اس کے کہ الگ سے کوئی دلیل ہو۔

...میں کہتا ہوں کہ خبائث سے مراد ہر وہ چیز ہے جو طبیعت کو ناپاک کرے اور نفس کو آلودہ کرے اور اس کو لینا تکلیف کا سبب بنے۔''

فلا یمکن ان یکون المراد بالطیبات ههنا المحلات، والّا لصار تقدیر الآیة:

''یہ ممکن نہیں ہے کہ یہاں طیبات سے مراد (اللہ تعالیٰ کی) حلال کردہ چیزیں ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ

قل احل لكم المحلات، و معلوم ان هذا ركيك، فوجب حمل الطيبات على المستلذ المشتهى، فصار التقدير: احل لكم كل ما يستلذ و يشتهى.

ثم اعلم ان العبرة فى الاستلذاذ والاستطبة اهل المروءة والاخلاق الجميلة، فان اهل البادية يستطيبون اكل جميع الحيوانات ويتاكد دلالة هذه الآيات بقوله 'خلق لكم ما فى الارض جميعا'. (تفسیر کبیر ۱۱/۱۴۲)

آیت اس طرح ہوتی: 'قل احل لکم المحلات' (کہہ دو تمھارے لیے حلال چیزیں حلال کی گئی ہیں) اور یہ معلوم ہے کہ یہ کمزور (جملہ) ہے۔ چنانچہ لازم ہے کہ طیبات کو لذیذ اور پسندیدہ چیزوں پر محمول کیا جائے۔ لہٰذا جملے کا مفہوم یہ ہوگا: 'احل لکم ما یستلذ و یشتھی' (تمھارے لیے ہر لذیذ اور پسندیدہ چیز حلال کی گئی ہے)۔

پھر یہ جان لو کہ لذیذ ہونے اور پاکیزہ ہونے میں اچھے اخلاق والے لوگوں ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ اہل بادیہ تمام حیوانات کے کھانے کو پاکیزہ سمجھتے تھے۔ اور ان آیات کی دلالت کی تائید یہ آیت کرتی ہے کہ 'زمین میں جو کچھ ہے اس نے تمھارے لیے ہی پیدا کیا ہے'۔"

توقع ہے کہ ہمارے گزشتہ مضمون کے ان مقامات کا مکرر مطالعہ فاضل ناقد کے مذکورہ اعتراض کی تشفی کا باعث ہوگا۔

فاضل ناقد نے حالیہ تحریر میں اپنی تمام علمی تنقیدات اور ان پر ہمارے جوابی دلائل سے تو پوری طرح قطع نظر کیا ہے، البتہ راقم کے ایک گزشتہ مضمون کا یہ جملہ نقل کر کے کہ "دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں"، سارا زور قلم اس بات پر صرف کیا ہے کہ غامدی صاحب کے مآخذ دین چار ہیں اور ان میں سے ایک فطرت بھی ہے۔ فاضل ناقد نے یہ مقدمہ "جاوید احمد غامدی کا تصور فطرت" کے زیر عنوان اپنے گزشتہ مضمون میں بھی پیش کیا تھا، مگر ہم نے اسے موضوع بحث نہیں بنایا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ مقدمہ غامدی صاحب کی تحریر پر مبنی نہیں تھا اور اس پر گفتگو "فکر غامدی، ایک تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ" کے اس دائرے سے باہر نکلتی تھی جسے خود فاضل ناقد نے قائم کیا تھا۔ لیکن اب جبکہ فاضل ناقد نے اپنی مختصر سی تحریر میں ہمارے اس جملے کو پانچ مرتبہ نقل کر کے اپنے "تحقیقی اور تجزیاتی مطالعے" میں اس کی غیر معمولی اہمیت کا تاثر دیا ہے تو اس سے صرف نظر کرنا ان تحقیقات کی قدر ناشناسی پر محمول ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس کے بارے میں بھی اپنی معروضات پیش کر دی جائیں۔

مذکورہ جملہ راقم کے ایک مضمون "اسلام اور موسیقی" سے منتخب کیا گیا ہے جو مارچ ۲۰۰۴ کے ماہنامہ "اشراق" میں شائع ہوا

www.javedahmadghamidi.com

تھا۔یہ اس کی ایک بحث ''قرآن اور موسیقی'' کے تمہیدی نوٹ کا جز ہے۔قارئین کے ملاحظے کے لیے یہ نوٹ حسب ذیل ہے:

''قرآن مجید دین کی آخری کتاب ہے۔دین کی ابتدا اس کتاب سے نہیں، بلکہ ان بنیادی حقائق سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے روز اول سے انسان کی فطرت میں ودیعت کر رکھے ہیں۔اس کے بعد وہ شرعی احکام ہیں جو وقتاً فوقتاً انبیا کی سنت کی حیثیت سے جاری ہوئے اور بالآخر سنت ابراہیمی کے عنوان سے بالکل متعین ہو گئے۔پھر تورات، زبور اور انجیل کی صورت میں آسمانی کتابیں ہیں جن میں ضرورت کے لحاظ سے شریعت اور حکمت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے اور قرآن مجید نازل ہوا ہے۔چنانچہ قرآن دین کی پہلی نہیں، بلکہ آخری کتاب ہے اور دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں[1]۔یہی وجہ ہے کہ قرآن بالعموم ان مسلمات کی تفصیل نہیں کرتا جو دین فطرت کے حقائق کی حیثیت سے انسانی فطرت میں ثبت ہیں یا سنت ابراہیمی کی روایت کے طور پر معلوم ومعروف ہیں۔(1 اس موضوع پر مفصل بحث استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف ''میزان'' کے صفحہ ۴۷ پر ''دین کی آخری کتاب'' کے زیر عنوان ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔)''(۱۱)

ہمارے اس نوٹ سے فاضل ناقد نے جو معنی اخذ کیے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

''...(مذکورہ اقتباس میں) سید منظور الحسن صاحب کا دعویٰ تھا کہ غامدی صاحب نے 'اصول ومبادی' میں 'فطرت کے حقائق' کو ایک مستقل ماخذ دین کے طور پر بیان کیا ہے۔...منظور الحسن صاحب کی مذکورہ بالا عبارت کہ جس میں انھوں نے غامدی صاحب کے مآخذ دین چار بتلائے ہیں، قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے۔قطعی الثبوت تو اس لیے کہ منظور الحسن صاحب کی یہ عبارت، غامدی صاحب کے ماہنامہ اشراق میں کہ جس کے وہ خود مدیر بھی ہیں، ان کے ذاتی نام سے شائع ہوئی ہے۔اور قطعی الدلالت اس لیے کہ اس عبارت کا ایک ایک لفظ اپنے مفہوم کو بغیر کسی اشتباہ کے واضح کر رہا ہے۔...منظور الحسن صاحب نے اپنی اس عبارت کی نسبت جناب غامدی صاحب سے کی ہے۔...جناب منظور الحسن صاحب نے واضح لکھا ہے کہ غامدی صاحب کی 'میزان' کی عبارت کو کوئی صاحب صرف ان کا فلسفہ نہ سمجھے بلکہ یہ ان کے مصادر شریعت ہیں۔...۲۰۰۴ء میں منظور الحسن صاحب کی یہ عبارت 'اشراق' میں شائع ہوئی کہ غامدی صاحب کے مآخذ دین چار ہیں اور ان میں سے ایک 'فطرت' بھی ہے۔...(یہ عبارت) اس مسئلے میں نص قطعی ہے کہ غامدی صاحب کے مآخذ دین چار ہیں کہ جن میں سے ایک 'فطرت' بھی ہے۔''

(ماہنامہ الشریعہ اگست ۲۰۰۷، ۴۳)

ہمارا اقتباس اور اس سے فاضل ناقد کے ماخوذات قارئین کے سامنے ہیں۔دونوں کے تقابل سے یہ بات

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

بخوبی واضح ہوسکتی ہے کہ فاضل ناقد نے ہماری تحریر کو اپنے مفہوم کا جامہ پہنانے کے لیے کس قدر جاں فشانی سے کام لیا ہے۔ بہرحال، ہمارا احساس یہ ہے کہ ہمارے اقتباس میں وہ باتیں بیان ہی نہیں ہوئیں جو اس سے برآمد کی گئی ہیں۔

o لکھا گیا ہے: ''منظور الحسن صاحب کا دعویٰ تھا کہ غامدی صاحب نے 'اصول و مبادی' میں 'فطرت کے حقائق' کو ایک مستقل ماخذ دین کے طور پر بیان کیا ہے''۔

اس طرح کا کوئی دعویٰ زیر بحث اقتباس میں مذکور نہیں ہے۔

o لکھا گیا ہے کہ منظور الحسن صاحب نے غامدی صاحب کے مآخذ دین چار بتلائے ہیں۔

''مآخذ دین''، ''چار مآخذ دین'' اور ''غامدی صاحب کے چار مآخذ دین''، ان میں سے کوئی الفاظ ہماری تحریر میں موجود نہیں ہیں۔

o لکھا گیا ہے کہ منظور الحسن نے اپنی اس عبارت کی نسبت غامدی صاحب سے کی ہے۔

یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ ہم نے یہ نہیں لکھا کہ ''یہ غامدی صاحب کی بات ہے''، بلکہ یہ لکھا ہے کہ ''اس موضوع پر مفصل بحث غامدی صاحب کی تالیف ''میزان'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے''۔ یہ دونوں جملے ظاہر ہے کہ بالکل الگ الگ مفہوم کے حامل ہیں۔ پہلا جملہ مصنف کی نسبت سے ہے، جبکہ دوسرا جملہ موضوع کی نسبت سے ہے۔

o لکھا گیا ہے: ''منظور الحسن صاحب نے واضح لکھا ہے کہ غامدی صاحب کی ''میزان'' کی عبارت کو کوئی صاحب صرف ان کا فلسفہ نہ سمجھے، بلکہ یہ ان کے مصادر شریعت ہیں۔''

ہمارے اقتباس میں یہ کہیں بیان نہیں ہوا کہ غامدی صاحب کی بات کو ان کا فلسفہ نہ سمجھا جائے۔ ''مصادر شریعت'' کے الفاظ بھی استعمال نہیں ہوئے۔ اس کے بجائے ''دین کے مصادر'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ فاضل ناقد اس بات سے واقف ہوں گے کہ شریعت دین کا ایک حصہ ہے، کل دین نہیں ہے۔ شریعت کے علاوہ دین کا ایک بہت بڑا جز ایمانیات اور اخلاقیات پر مبنی ہے۔ چنانچہ ''مصادر شریعت'' اور ''دین کے مصادر'' کے الفاظ کو ہم معنی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اس تقابل اور تجزیے سے یہ بات اگرچہ پوری طرح واضح ہو گئی ہے کہ ہمارے مذکورہ اقتباس کو الفاظ و معانی کا جو جامہ پہنایا گیا ہے، وہ قرین حقیقت نہیں ہے، تاہم اگر برسبیل تنزل یہ مان بھی لیا جائے کہ فاضل ناقد کا اخذ و استنباط حرف بہ حرف درست ہے، تب بھی اس تحقیق انیق پر حسب ذیل بعض ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کے کم سے کم

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہیں۔

فاضل ناقد نے اپنی تنقید ''فکر المورد ایک تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے نہیں لکھی۔ اگر عنوان یہ ہوتا تو انھیں اس کا حق حاصل تھا کہ ''المورد'' کے کسی بھی مصنف کی تحریر کو منتخب کر کے اس کا تجزیہ اور تحلیل کرتے۔ ظاہر ہے کہ اس پر کسی صاحب فہم کو اعتراض نہ ہوتا۔ مسئلہ یہ ہے کہ انھوں نے جو عنوان قائم کیا ہے، وہ ہے: ''فکر غامدی ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ''۔ فکر غامدی کے ''تحقیقی و تجزیاتی مطالعے'' کے لیے غامدی صاحب کی تحریر کے بجائے کسی اور کی تحریر کا انتخاب علم و اخلاق کے کن مسلمات کی رو سے روا سمجھا گیا ہے؟

اس سوال کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

''اصول و مبادی'' میں مآخذ دین کے موضوع پر غامدی صاحب کی مفصل تحریر موجود ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ:

> ''دین کا تنہا ماخذ اس زمین پر اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والا صفات ہے۔ یہ صرف انھی کی ہستی ہے کہ جس سے قیامت تک بنی آدم کو ان کے پروردگار کی ہدایت میسر ہو سکتی اور یہ صرف انھی کا مقام ہے کہ اپنے قول و فعل اور تقریر و تصویب سے وہ جس چیز کو دین قرار دیں، وہی اب رہتی دنیا تک دین حق قرار پائے:
>
> هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ. (الجمعہ ۶۲: ۲)
>
> ''وہی ذات ہے جس نے اِن امیوں میں ایک رسول انھی میں سے اٹھایا ہے جو اُس کی آیتیں اِن پر تلاوت کرتا ہے اور اِن کا تزکیہ کرتا ہے اور (اِس کے لیے) اِنھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''
>
> یہی قانون و حکمت وہ دین حق ہے جسے ''اسلام'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ماخذ کی تفصیل ہم اس طرح کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی و عملی تواتر سے منتقل ہوا اور دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے:
>
> ۱۔ قرآن مجید
>
> ۲۔ سنت۔'' (۹)

''اصول و مبادی'' وہ کتاب ہے جسے فاضل ناقد نے اپنی تنقیدات کے لیے منتخب کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا آغاز ہی مآخذ دین کی درج بالا بحث سے ہوتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ فاضل ناقد نے غامدی صاحب کے مآخذ دین پر تنقید کے لیے قلم اٹھایا ہے اور انھیں غامدی صاحب کی اس واضح تحریر کو چھوڑ کر راقم کی ایک ایسی تحریر کا انتخاب کرنا پڑا ہے جس

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

میں مآخذ کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوا؟

اس سوال کا بھی ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

فاضل ناقد کے منظورنظر مذکورہ اقتباس کے تحت حاشیے میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ''اس موضوع پر مفصل بحث استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف ''میزان'' کے صفحہ ۴۷ پر ''دین کی آخری کتاب'' کے زیرعنوان ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔'' فاضل ناقد کو اگر غامدی صاحب پر اسی موضوع کے حوالے سے تنقید کرنی تھی تو وہ بآسانی ''میزان'' کے صفحہ ۴۷ سے ''دین کی آخری کتاب'' کے مندرجات کو نقل کر کے ان پر اپنا زورقلم صرف کر سکتے تھے۔ انھیں اس کو چھوڑ کر ہمارا اقتباس منتخب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے؟

اس سوال کا بھی ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

''اسلام اور موسیقی'' کے زیرعنوان ہمارے جس مضمون میں سے فاضل ناقد نے مذکورہ اقتباس اٹھا کر درج بالا مضمون آفرینی کی ہے، اسی مضمون کی تمہید میں ہم نے نہایت صراحت کے ساتھ حکم شریعت اخذ کرنے کے ذرائع بیان کیے تھے۔ ہم نے لکھا تھا:

''...دین میں کسی چیز کے جواز یا عدم جواز کے لیے فیصلہ کن حیثیت قرآن وسنت کو حاصل ہے۔ ان کی سند کے بغیر شریعت کی فہرست حلت وحرمت میں کوئی ترمیم واضافہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ایمان کا تقاضا ہے کہ جن امور کو یہ جائز قرار دیں، انھیں پورے شرح صدر کے ساتھ جائز تصور کیا جائے اور جنھیں ناجائز قرار دیں، فکروعمل کے میدان میں ان کے جواز کی کوئی راہ ہرگز نہ ڈھونڈی جائے۔

کسی معاملے میں دین کا نقطۂ نظر جاننے کے لیے اہل علم کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے شریعت کے یقینی ذرائع یعنی قرآن وسنت سے رجوع کیا جاتا ہے۔ پھر حدیث کی کتابوں میں درج نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب روایات کی تحقیق کی جاتی ہے۔ اگر موضوع سے متعلق روایات موجود ہوں تو عقل ونقل کے مسلمات کی روشنی میں ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ ضرورت ہو تو قدیم الہامی صحائف کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے اور صحابۂ کرام کے آثار کی روایتیں بھی دیکھی جاتی ہیں۔ انجام کار قرآن، حدیث اور فقہ کے علماے سلف وخلف کی شروح اور توضیحات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔'' (اشراق، مارچ ۲۰۰۴، ۸)

فاضل ناقد کو اگر راقم کے مضمون ''اسلام اور موسیقی'' ہی سے مآخذ دین کی بحث برآمد کرنی تھی تو اس کے لیے واحد جگہ یہی تھی۔ کیا وجہ ہے کہ اس سے صرف نظر کر کے ایک ایسے مقام کا انتخاب کیا گیا ہے جہاں یہ موضوع اصلاً زیر بحث ہی نہیں ہے؟

اس سوال کا بھی ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

مذکورہ اقتباس میں ہم نے اپنی بات کی تفہیم کے لیے ''دین کے مآخذ'' کے نہیں، بلکہ ''دین کے مصادر'' کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ یہ تعبیر اختیار کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ کوئی شخص اس بحث کو مآخذ دین کی بحث پر محمول نہ کر لے۔ ہمیں اگر مآخذ دین ہی کی بحث کرنی ہوتی تو اس کے لیے نہ ''قرآن اور موسیقی'' کا یہ مقام موزوں تھا اور نہ ''مصادر'' کا لفظ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اسلامی علوم میں دین اخذ کرنے کے ذرائع کے لیے ''مصادر'' کا نہیں، بلکہ ''مآخذ'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ ایک اصطلاح ہے جس کا ایک متعین مفہوم اور مصداق ہے۔ ''مآخذ'' کا یہ لفظ اس مفہوم میں اس قدر صریح اور اس قدر متداول ہے کہ فاضل ناقد کو مذکورہ اقتباس پر تنقید کرنے کے لیے جا بجا ''مصادر'' کے لفظ کو ''مآخذ'' کی اصطلاح سے تبدیل کرنا پڑا ہے۔ چند جملے ملاحظہ کیجیے:

''غامدی صاحب کے حوالے سے میں نے وہی بات بیان کی ہے جو کہ منظور الحسن صاحب نے بھی لکھی ہے کہ غامدی صاحب کے مآخذ دین چار ہیں۔... میں سید منظور الحسن صاحب سے یہ استفسار کرنے میں حق بجانب ہوں کہ ان کا اپنے اس فہم کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جس میں انھوں نے غامدی صاحب کے مآخذ دین چار بتلائے ہیں؟... سب سے اہم بات یہ ہے کہ ۲۰۰۴ء میں منظور الحسن صاحب کی یہ عبارت 'اشراق' میں شائع ہوئی کہ غامدی صاحب کے مآخذ دین چار ہیں اور ان میں سے ایک 'فطرت' بھی ہے۔'' (الشریعہ، اگست ۲۰۰۷، ۴۳)

بہر حال، مذکورہ جملے میں ''دین کے مصادر'' کے الفاظ کے بارے میں فاضل ناقد اگر یہ کہتے کہ مضمون کی تمہید میں شریعت اخذ کرنے کے ذرائع کا بیان، جملے کا سیاق وسباق اور غامدی صاحب کی محولہ عبارت جیسے واضح قرائن اگرچہ اس میں مانع ہیں کہ ''دین کے مصادر'' کے الفاظ سے ''مآخذ دین'' کی اصطلاح مراد لی جائے، لیکن ''مصادر'' کا لفظ چونکہ لغوی مفہوم کے اعتبار سے ''مآخذ'' کے لفظ کے قریب ہے، اس لیے اس کا استعمال خلط مبحث کا باعث بن سکتا ہے اور کوئی شخص اسے ''مآخذ'' کی اصطلاح پر بھی محمول کر سکتا ہے۔ وہ اگر یہ تنقید کرتے تو ہم اسے ہر لحاظ سے صائب قرار دیتے اور اظہار تشکر کے ساتھ قبول کرتے۔ — ہم اب بھی ان کے شکر گزار ہیں کہ ان کی تنقید کے نتیجے میں ہمیں اپنی تحریر کے ایک ناموزوں لفظ کو تبدیل کرنے کا موقع ملا ہے۔ — تاہم، فاضل ناقد نے یہ تنقید نہیں کی۔ اس کے بجائے انھوں نے ''مصادر'' کے لفظ کو نہایت بے تکلفی سے ''مآخذ'' کی اصطلاح اور اس کے جملہ اطلاقات سے تبدیل کیا اور اسی زاویے سے اس پر نقد وجرح کی۔ کیا وجہ ہے کہ یہ تبدیلی کرتے ہوئے ان کے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ مصنف نے ''مآخذ'' کی معروف اصطلاح چھوڑ کر ''مصادر'' کا لفظ کیوں اختیار کیا ہے؟

اس سوال کا بھی ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

فاضل ناقد کی تنقید کے جواب میں ہم نے نہایت تفصیل کے ساتھ اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ غامدی صاحب

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

فطرت کو ہرگز ''مآخذ دین'' میں شامل نہیں کرتے۔ ہم نے لکھا تھا کہ غامدی صاحب نے ''اصول و مبادی'' میں فطرت کا ذکر قرآن مجید کی دعوت کو سمجھنے میں معاون ایک ذریعے کے طور پر تو کیا ہے، لیکن کہیں بھی اسے مستقل بالذات ماخذ دین کے طور پر پیش نہیں کیا، ورنہ وہ ''مبادی تدبر قرآن''، ''مبادی تدبر سنت'' اور ''مبادی تدبر حدیث'' کی طرح ''مبادی تدبر فطرت'' کا بھی باقاعدہ عنوان قائم کرتے اور اس کے تحت فطرت اور اس کے تقاضوں کی تعیین کے اصول وضوابط بیان کرتے۔

۲۰۰۷ء کی ہماری اس وضاحت کے بعد فاضل ناقد ۲۰۰۴ء کے اقتباس کو زیر بحث لانے پر کیوں اصرار کر رہے ہیں؟

اس سوال کا بھی ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

ہمارے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ فاضل ناقد کے پاس بھی ان سوالوں کا جواب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا وہ اس کو اگلے مضمون میں زیر بحث لائیں گے یا انھیں بھی ''ادھر ادھر کی تاویلات'' کا عنوان دے کر کچھ مزید ''آپشنز'' پر غور کرنے کا حکم صادر کریں گے؟

خاتمۂ کلام کے طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مذکورہ اقتباس کے مدعا کی وضاحت کر دی جائے جو فاضل ناقد کے لیے خلط مبحث کا باعث بنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ غامدی صاحب کی جس بحث کا حوالہ ہم نے اپنے اقتباس میں دیا تھا، اس کی نوعیت اور اس کا مفہوم ہمارے فہم کے لحاظ سے کیا ہے۔

مذکورہ اقتباس میں ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ قرآن مجید کا پس منظر بیان کیا تھا اور یہ واضح کیا تھا کہ دین قرآن مجید سے شروع نہیں ہوتا، بلکہ اس پر مکمل ہوتا ہے اور قرآن کے پس منظر میں دین کی جو تاریخ ہے، اس کا آغاز فطرت کے حقائق سے ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری یہ تحریر اپنے مدعا کے کامل ابلاغ سے قاصر ہو، لیکن جہاں تک غامدی صاحب کی ''میزان'' کے صفحہ ۴۷ کی بحث کا تعلق ہے، جس کا حوالہ ہم نے اس اقتباس کے ساتھ درج کیا تھا، وہ اپنے مدعا میں اس قدر واضح ہے کہ اس سے کم سے کم فطرت کے ماخذ دین ہونے کا مفہوم ہرگز اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بحث ''اصول و مبادی'' میں درج ہے۔ ''اصول و مبادی'' جناب جاوید احمد غامدی کی تفہیم دین پر مبنی کتاب ''میزان'' کا مقدمہ ہے۔ اس میں انھوں نے فہم دین کے اصولوں اور مبادیات کو بیان کیا ہے۔ یہ مقدمہ ایک تمہید اور تین مباحث پر مشتمل ہے۔ تمہید میں دین کے مآخذ کی بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد ''مبادی تدبر قرآن''، ''مبادی تدبر سنت'' اور مبادی تدبر حدیث'' کے زیر عنوان قرآن، سنت اور حدیث کے فہم اور تدبر کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ ''مبادی تدبر قرآن'' کے تحت غامدی صاحب نے وہ اصولی باتیں بیان کی ہیں جو ان کے نزدیک قرآن پر غور و فکر کرنے والے اصحاب علم کے پیش نظر رہنی چاہییں۔ یہ کل دس اصول ہیں۔ ان میں مثال کے طور پر ایک اصول یہ بیان ہوا ہے کہ قرآن جس زبان میں نازل ہوا ہے، وہ ام القریٰ کی عربی معلیٰ ہے، اس لیے اس کتاب کا فہم اب اس

زبان کے صحیح علم اور اس کے صحیح ذوق ہی پر منحصر ہے۔ ایک اصول یہ بیان ہوا ہے کہ قرآن اپنے مضمون کے لحاظ سے ایک رسول کی سرگزشت انذار ہے۔ چنانچہ اولاً اس کی ہر سورہ میں تدبر کر کے اس کا زمانۂ نزول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مراحل کے لحاظ سے متعین کرنا چاہیے اور ثانیاً، اس کی ہر سورہ کے بارے میں یہ طے کرنا چاہیے کہ اس کے مخاطب اصلاً کون ہیں۔ اسی طرح ایک اصول یہ بیان ہوا ہے کہ قرآن کی ہر سورہ کا ایک متعین نظم کلام ہے۔ وہ الگ الگ اور متفرق ہدایات کا کوئی مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک موضوع ہے اور اس کی تمام آیتیں نہایت حکیمانہ ترتیب اور مناسبت کے ساتھ اس موضوع سے متعلق ہوتی ہیں۔

انھی اصولوں میں سے ایک اصول ''دین کی آخری کتاب'' کے زیرعنوان یہ بیان ہوا ہے کہ قرآن جس دین کو پیش کرتا ہے، تاریخی طور پر اس کی وہ پہلی نہیں، بلکہ آخری کتاب ہے۔ دین فطرت، سنت ابراہیمی اور نبیوں کے صحائف تاریخی لحاظ سے اس سے مقدم ہیں۔ چنانچہ قرآن کی شرح وتفسیر میں پس منظر کے ان مقدمات کو لازماً ملحوظ رکھا جائے گا۔ انھوں نے لکھا ہے:

''(قرآن پر غور وتدبر کے اصولوں میں سے) چھٹی چیز یہ ہے کہ قرآن جس دین کو پیش کرتا ہے، اس کی وہ پہلی نہیں، بلکہ آخری کتاب ہے۔ اس دین کی تاریخ یہ ہے کہ انسان کو جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا تو اس کے بنیادی حقائق ابتدا ہی سے اس کی فطرت میں ودیعت کر دیے۔ پھر اس کے ابوالآبا آدم علیہ السلام کی وساطت سے اسے بتا دیا گیا کہ اولاً، اس کا ایک خالق ہے جس نے اسے وجود بخشا ہے، وہی اس کا مالک ہے اور اس کے لازمی نتیجے کے طور پر تنہا وہی ہے جسے اس کا معبود ہونا چاہیے۔ ثانیاً، وہ اس دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے اور اس کے لیے خیر وشر کے راستے نہایت واضح شعور کے ساتھ اسے سجھا دیے گئے ہیں۔ پھر اسے ارادہ واختیار ہی نہیں، زمین کا اقتدار بھی دیا گیا ہے۔ اس کا یہ امتحان دنیا میں اس کی زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہے گا۔ وہ اگر اس میں کامیاب رہا تو اس کے صلے میں خدا کی ابدی بادشاہی اسے حاصل ہو جائے گی جہاں نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ ثالثاً، اس کی ضرورتوں کے پیش نظر اس کا خالق وقتاً فوقتاً اپنی ہدایت اسے بھیجتا رہے گا، پھر اس نے اگر اس ہدایت کی پیروی کی تو ہر قسم کی گمراہیوں سے محفوظ رہے گا اور اس سے گریز کا رویہ اختیار کیا تو قیامت میں ابدی شقاوت اس کا مقدر ٹھیرے گی۔

چنانچہ پروردگار نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا اور انسانوں ہی میں سے کچھ ہستیوں کو منتخب کر کے ان کے ذریعے سے اپنی یہ ہدایت بنی آدم کو پہنچائی۔ اس میں حکمت بھی تھی اور شریعت بھی۔ حکمت، ظاہر ہے کہ ہر طرح کے تغیرات سے بالا تھی، لیکن شریعت کا معاملہ یہ نہ تھا۔ وہ ہر قوم کی ضرورتوں کے لحاظ سے اترتی رہی، یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت میں پوری انسانیت کے لیے اس کے احکام بہت حد تک ایک واضح سنت کی صورت اختیار کر گئے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جب بنی اسرائیل کی ایک باقاعدہ حکومت قائم ہو جانے کا مرحلہ آیا تو

www.javedahmadghamidi.com

تورات نازل ہوئی اور اجتماعی زندگی سے متعلق شریعت کے احکام بھی اترے۔ اس عرصے میں حکمت کے بعض پہلو نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو زبور اور انجیل کے ذریعے سے انھیں نمایاں کیا گیا۔ پھر ان کتابوں کے متن جب اپنی اصل زبان میں باقی نہیں رہے تو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آخری پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث کیا اور انھیں یہ قرآن دیا۔... یہ دین کی تاریخ ہے۔'' (اصول ومبادی ۴۷)

بات کا آغاز بھی اس جملے سے ہوا ہے کہ ''اس دین کی تاریخ یہ ہے'' اور اختتام بھی اس جملے پر ہوا ہے کہ ''یہ دین کی تاریخ ہے۔'' دین کی تاریخ کی بحث کو دین کے مآخذ کی بحث تصور کرنا کیسے ممکن ہوا ہے، اس کا جواب ظاہر ہے کہ فاضل ناقد ہی دے سکتے ہیں۔

'دین کے مآخذ' اور 'دین کی تاریخ' میں کیا فرق ہے؟ تفہیم مدعا کے لیے اسے ایک سادہ مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ دیکھیے، جب ہم مطالعۂ پاکستان کے طالب علم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ 'پاکستان کے سیاسی نظام' کا 'ماخذ' کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ اس کا ماخذ آئین پاکستان ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ نظام اسی آئین سے ماخوذ، اسی پر مبنی، اسی سے عبارت اور اسی کے حدود میں مقید ہے۔ اس کے برعکس جب ہم اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ 'پاکستان کے سیاسی نظام' کی 'تاریخ' کیا ہے اور اس میں آئین پاکستان کا کیا مقام ہے تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ آئین پاکستان نظام پاکستان کا تکمیلی جز ہے۔ اس نظام کی اساس آزادی وخود مختاری اور اپنے حقوق کے تحفظ کی وہ تمنا ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شکست کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوئی تھی۔ پھر یہ تمنا دو قومی نظریے کی صورت میں وجود پذیر ہوئی اور مسلمانوں نے اپنے قومی تشخص کو غیر مسلم اقوام سے الگ سمجھنا شروع کیا۔ پھر ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے اس نظریے کو ایک واضح تصور اور ایک ریاستی خاکے کی صورت میں پیش کیا۔ اس کے بعد تحریک پاکستان کے نام سے ایک بھرپور سیاسی تحریک چلی جس کے نتیجے کے طور پر ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اس موقع پر بانی پاکستان نے دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے نظام پاکستان کے خط وخال متعین کیے۔ کچھ عرصے بعد پارلیمنٹ نے قرارداد مقاصد منظور کی اور پھر ایک تدریجی عمل کے بعد ۱۹۷۳ء میں پاکستان کا آئین تشکیل پایا جو اب اس کے نظام کا ماخذ ہے۔ نظام پاکستان کی تاریخ کے بارے میں کیے گئے سوال کا جواب سن کر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مطالعۂ پاکستان کے طالب علم نے 'آزادی کی تمنا' یا 'دو قومی نظریہ' یا 'قرارداد پاکستان' یا 'خطبۂ الہٰ آباد' کو پاکستان کے سیاسی نظام کا ماخذ قرار دیا ہے تو اس کے فہم اور اس کی فراست پر اظہار تعجب ہی کیا جائے گا۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مثال کے طور پر دو قومی نظریہ پاکستان کے سیاسی نظام کی اساس ہے تو ہر شخص اس سے اتفاق کرے گا۔

جاوید احمد غامدی

روداد سفر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

میں اسکول میں پڑھتا تھا، لیکن والد اس پر مطمئن نہ تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ اس کے ساتھ عربی، فارسی اور سنسکرت بھی سیکھوں۔ اس کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اسی دوران میں انھوں نے پاک پتن کے نواح میں واقع میاں محمد حسین بودلہ کی جاگیر پر ملازمت کر لی۔ دو تین مہینے وہاں کام کرنے کے بعد وہ مطمئن ہو گئے تو والدہ نے بھی ان کے ساتھ میاں صاحب کے گاؤں نانگپال منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ گاؤں سمہ سٹہ جانے والی ریلوے لائن کے اسٹیشن پکاسدھار سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر تھا۔ مجھے پاک پتن کے ایم۔ سی پرائمری اسکول سے اٹھا کر پکاسدھار کے اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ یہ ایک ہی کمرے کا اسکول تھا جس میں ٹاٹ بھی نہیں تھے۔ ہم ریلوے لائن کے ساتھ بیابان کی جھاڑیوں سے شاخیں توڑتے، ان کے پتوں سے فرش کی صفائی کرتے اور انھی پر بیٹھ جاتے تھے۔ گاؤں میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ والد اس میں نماز کے لیے جاتے تو مجھے بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ مولوی نور احمد صاحب اس مسجد کے امام اور خطیب تھے۔ اب جو کچھ یاد ہے، اس سے یہی خیال ہوتا ہے کہ ان کا تعلق غالباً دیوبندی مسلک سے تھا۔ والد نے ان سے میری تعلیم کی بات کی تو انھوں نے فرمایا: عربی، فارسی تو اسے میں پڑھا دوں گا۔ والد بے حد خوش ہوئے۔ پھر والدہ کے مشورے سے فیصلہ کیا گیا کہ اسکول سے آنے کے بعد میں تھوڑی دیر کے لیے آرام کروں گا۔ اس کے بعد عصر کی نماز کے لیے مسجد جاؤں گا اور مغرب تک مولوی صاحب مجھے فارسی، عربی پڑھائیں گے۔

ہم نانگپال گئے تھے تو میں تیسری جماعت میں تھا۔ پانچویں تک مولوی نور احمد صاحب سے پڑھنے کا یہ سلسلہ

جاری رہا۔انھوں نے مجھے ''شرح جامی'' تک عربی اور ''پند نامہ'' شیخ عطار تک فارسی پڑھائی۔ پانچویں جماعت کے امتحانات ہونے کو تھے کہ والد کسی بات پر میاں صاحب سے ناراض ہوئے اور ملازمت چھوڑ کر واپس پاک پتن آ گئے۔ مجھے بھی آنا پڑا،لہٰذا مولوی صاحب سے میری تعلیم بھی اس کے ساتھ ہی منقطع ہو گئی۔تاہم شوق ختم نہیں ہوا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست، میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود ہی کسی استاد تک پہنچ جاتا اور اس کی رہنمائی میں درس نظامی کی کتابیں پڑھتا رہتا تھا۔نویں جماعت تک میں نے فنون کی تمام کتابیں ختم کر لیں۔اب دسویں کا امتحان درپیش تھا،اس لیے پوری توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی اور عربی تعلیم کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر ٹوٹ گیا۔

پانچویں جماعت کا امتحان پاس کر لینے کے بعد آگے کی تعلیم کے لیے میں اسلامیہ ہائی اسکول میں آ گیا تھا۔ یہاں غالباً چھٹی یا ساتویں کے زمانے میں نصیرالدین صاحب ہمایوں سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ ہمیں تاریخ پڑھاتے تھے۔ یہ اس لحاظ سے بڑی اہم ملاقات تھی کہ پہلی مرتبہ انھی کی وساطت سے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے نام اور کام سے میرا تعارف ہوا۔مولانا کی تمام کتابیں میں نے ان سے لے کر پڑھیں۔ یہ علم و عمل کی ایک نئی دنیا تھی۔اسلامی جمعیت طلبہ کا سالانہ اجتماع انھی دنوں داؤد گارڈن، داروغہ والا میں منعقد ہوا۔ہم چند دوست بھی اسلامیہ ہائی اسکول سے ہمایوں صاحب کے ساتھ اس اجتماع میں شرکت کے لیے لاہور آئے۔مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کو میں نے پہلی مرتبہ اسی اجتماع کے موقع پر دیکھا۔کیا دل نواز شخصیت تھی۔لگتا تھا کہ اس کی صورت گری میں حسن فطرت کی ہر چیز کام آ گئی ہے۔ بعد میں ان سے ملنے اور بہت قریب رہ کر ان کو دیکھنے کے مواقع حاصل ہوئے۔علم و عمل، حسن اخلاق، دانش و بصیرت اور جرأت و عزیمت کے لحاظ سے جن شخصیتوں کے نام ان کے ساتھ لے سکتے ہیں، وہ انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ یہ صرف میرا تاثر نہیں ہے۔انھیں دیکھنے، ملنے، ان سے ہم کلام ہونے اور ان کے ساتھ کام کرنے کی سعادت جن لوگوں کو بھی حاصل ہوئی ہے، وہ اس کی گواہی دیں گے:

نہ من براں گل عارض غزل سرایم و بس

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند

دسویں کا سال شروع ہوا تو فلسفہ، تصوف، ادب اور تاریخ کی کتابیں دیکھنے سے میری دل چسپی بہت بڑھ چکی تھی۔ یہ والد اور ان سے ملنے والوں کی صحبت کا اثر تھا۔ان مضامین کی کوئی کتاب مل جاتی تو ختم کیے بغیر چین نہیں آتا تھا۔اس کے لیے وقت بھی تھا۔اسکول کی مصروفیت، البتہ کسی حد تک رکاوٹ بنتی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ اس سے نکلنے

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

کی کوئی صورت پیدا کرنی چاہیے۔ اسی شوق میں ایک دن اپنے استاد اور اسکول کے صدر مدرس سید شیر محمد صاحب سے میں نے درخواست کی کہ مجھے اسباق میں حاضری سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ میں پوری یک سوئی کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے ہاسٹل میں ایک کمرا دے دیں تو دسویں کے نتیجے سے بھی ان شاء اللہ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ سید صاحب بڑی غیر معمولی شخصیت کے استاد تھے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وہ کیسے مان گئے۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد انھوں نے فرمایا: میرے اعتماد کو ٹھیس تو نہیں پہنچاؤ گے؟ میں نے اطمینان دلایا تو انھوں نے اگلے ہی دن یہ سہولت فراہم کر دی، بلکہ اس کے ساتھ ایک مزید عنایت یہ کی کہ اسکول کی لائبریری سے میرے ذوق کی تمام کتابیں بھی اسی کمرے میں منتقل کر لینے کی اجازت دے دی۔ یہ گوشۂ چمن تو نہیں تھا، مگر 'فراغتے و کتابے' کی ہر صورت میسر ہو گئی تھی۔ دسویں کے امتحانات تک میں اسی کمرے میں رہا۔ یہ دن یاد آتے ہیں تو سید صاحب بھی ساتھ ہی یاد آتے ہیں۔ میں ان کا مرقع کھینچنا چاہوں بھی تو نہیں کھینچ سکتا، اس لیے کہ تشبیہ و تمثیل کے لیے اب ان جیسے استاد کہاں ملیں گے:

اے تو مجموعۂ خوبی، بچہ نامت خوانم

دسویں کے بعد میں لاہور کے گورنمنٹ کالج میں داخل ہوا۔ فلسفہ اور انگریزی ادب میرے اختیاری مضامین تھے۔ بی۔اے کے ساتھ آنرز کے لیے بھی میں نے انگریزی ادب ہی کا انتخاب کیا۔ گورنمنٹ کالج اس زمانے میں علم و ادب کے درخشندہ ستاروں کی کہکشاں بنا ہوا تھا۔ پروفیسر مرزا منور، صابر لودھی، غلام الثقلین نقوی، ملک بشیر الرحمٰن، پروفیسر سراج، پروفیسر سعید شیخ، پروفیسر بختیار حسین صدیقی اور ڈاکٹر محمد اجمل جیسے علما و ادبا کی صحبتیں طالب علموں کو میسر تھیں۔ پروفیسر اشفاق علی خان کالج کے پرنسپل تھے۔ پڑھنے والوں کے لیے کالج میں ایک بہت اچھی لائبریری تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری اور پنجاب پبلک لائبریری بھی زیادہ دور نہ تھیں۔ اس زمانے کا لاہور خود ایک جہان علم تھا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالخیر مودودی، مولانا حنیف ندوی، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا عطاء اللہ حنیف، ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، پروفیسر علم الدین سالک، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، فیض احمد فیض، شورش کاشمیری، حفیظ جالندھری، عابد علی عابد، احسان دانش اور احمد ندیم قاسمی جیسے اساطین علم و ادب زندہ تھے اور آدمی جب چاہے، ان سے استفادے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تھا۔

ان میں سے بعض بزرگ تدریس کے لیے بھی آمادہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق صاحب سے میں نے درخواست کی تو انھوں نے ''مقامات ہمدانی'' اور مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف نے ''دارمی'' کا کچھ حصہ پڑھا

www.javedahmadghamidi.com

دیا۔مولانا اہل حدیث کے ایک جلیل القدر عالم اور ڈاکٹر صاحب عربی زبان و ادب کے ایک جید عالم اور محقق تھے۔ ان کے والد مولانا اصغر علی روحی شبلی و فراہی کے استاد اور ''حماسہ'' اور ''سبع معلقات'' کے شارح ادیب الہند مولانا فیض الحسن سہارن پوری کے تلمیذ رشید تھے۔ڈاکٹر صاحب زبان و ادب کی اسی روایت کے امین تھے۔

میں گورنمنٹ کالج میں کم و بیش پانچ برس رہا۔میرا معمول تھا کہ صبح گھر سے نکلتا، کالج کے اسباق میں شامل ہوتا، پھر شام تک کسی لائبریری میں بیٹھا رہتا یا لائبریری سے اٹھ کر ان بزرگوں کی صحبت میں پہنچ جاتا تھا۔نئی کتابوں کے لیے فیروز سنز اور یونائیٹڈ پبلشرز میں یہ سہولت تھی کہ آدمی جب تک چاہے پڑھتا رہے، دکان کے لوگ بالعموم کوئی مداخلت نہیں کرتے تھے۔میں ان دکانوں پر بھی جاتا اور گھنٹوں کتابیں دیکھتا رہتا تھا۔اس زمانے میں بعض کتابیں لکھنے کے منصوبے بنائے، کچھ لکھا بھی، لیکن یہ زیادہ تر منصوبے ہی رہے۔شعر کہنے کا رجحان بچپن سے تھا۔وہ اس زمانے میں بھی کہے اور ان میں سے کچھ فیروز سنز کے انگریزی ماہنامہ ''پاکستان ریویو'' کے ۶۸ء، ۶۹ء کے شماروں اور بعض دوسرے مجلوں میں شائع بھی ہو گئے، مگر زیادہ توجہ پڑھنے کی طرف رہی۔لہٰذا کالج کے شب و روز اسی عیش میں گزر گئے:

اوقات ہماں بود کہ با یار بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصلی و بے خردی بود

آنرز حصۂ اول کا امتحان پاس کر لینے کے بعد میں اس کے آخری سال میں تھا کہ امام حمید الدین فراہی کی بعض کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔یہ علم و نظر اور فہم و بصیرت کی ایک حیرت انگیز دنیا تھی جو ان کتابوں کے اوراق پلٹتے ہی سامنے آ گئی۔ان میں سے کسی کتاب کے دیباچے میں امام کے تلمیذ رشید مولانا امین احسن اصلاحی کا ذکر بھی تھا۔اس کے الفاظ غالباً یہ تھے:'ثانی اثنین اذ هما يتادبان بآداب الامام الفراهي'۔میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ مولانا سے ملاقات کی جائے۔''اسلامی جمعیت'' کے ایک دوست نے بتایا کہ وہ لاہور سے باہر کسی گاؤں میں مقیم ہیں۔اتنا معلوم تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا بھی ان سے کچھ تعلق ہے۔ڈاکٹر صاحب اس زمانے میں کرشن نگر کے کسی محلے میں مطب کرتے اور وہیں رہتے تھے۔میں لائبریری سے اٹھا اور پوچھتے پوچھتے ان کے گھر پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحب مطب کے پچھلے کمرے میں اپنے احباب سے باتیں کر رہے تھے۔میں نے مولانا کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ حسن اتفاق سے وہ آج ہی اپنے گاؤں رحمٰن آباد سے آئے ہیں اور اس وقت اپنے داماد نعمان علی صاحب کے ہاں واپڈا کالونی میں ٹھیرے ہوئے ہیں۔میرے پاس سائیکل تھی۔میں نے پتا سمجھا اور

واپڈا کالونی کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو مغرب کا وقت ہو رہا تھا۔ راہ چلتے ایک صاحب سے رہنمائی چاہی تو انھوں نے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔ مولانا نماز کے لیے باہر نکل رہے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ یہ استاذ امام سے میری پہلی ملاقات تھی۔ مولانا غالباً دو ہفتے لاہور میں رہے۔ میں روزانہ ملاقات کے لیے حاضر ہوتا اور ایک نئی دنیا کی سیر دیکھ کر لوٹتا۔ استاذ امام کے ساتھ یہی ملاقاتیں ہیں جن سے پہلی مرتبہ شرح صدر ہوا کہ دین محض مان لینے کی چیز نہیں ہے، اسے سمجھا اور سمجھایا بھی جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت واضح ہوئی کہ قرآن ایک قول فیصل ہے، دین و شریعت کی ہر چیز کے لیے میزان ہے، پورے عالم کے لیے خدا کی حجت ہے۔ اس کی روشنی میں ہم حدیث وفقہ، فلسفہ و تصوف اور تاریخ وسیر، ہر چیز کا محاکمہ کر سکتے ہیں۔

یہ میرے لیے ایک نئے قرآن کی دریافت تھی۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے طریقے پر قرآن کا طالب علم بننا چاہتا ہوں۔ اپنی تعلیم کا کچھ پس منظر بتا کر پوچھا کہ اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟ مولانا نے مختلف علوم وفنون کی امہات کتب کی ایک لمبی فہرست بتائی جنھیں پڑھنے، سمجھنے اور دل و دماغ میں اتارنے کے لیے برسوں کی محنت چاہیے تھی۔ مولانا نے فرمایا: اس طریقے سے پڑھنا چاہتے ہو تو لیڈری کے خیالات ذہن سے نکال کر علم و نظر اور فکر و تدبر کے لیے گوشہ گیر ہونا پڑے گا۔ یہ فیصلہ کرو کہ تمھارا سایہ بھی ساتھ نہ دے تو حق پر قائم رہو گے۔ ہمارے مدرسۂ علمی میں کوئی شخص اس عزم و ارادہ کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔

یہ آخری دن تھا۔ اس سے اگلے روز مولانا گاؤں واپس جا رہے تھے۔ میں نے دل و دماغ کا جائزہ لیا، نتائج و عواقب کا اندازہ کیا اور اسی روز فیصلہ کر لیا کہ کالج کو الوداع کہہ کر میں کل ہی مولانا کے مدرسۂ علمی میں داخل ہو جاؤں گا اور اس کے لیے جیسا علم چاہیے، اسے حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔

میری طالب علمی کا دوسرا دور اسی سے شروع ہوا۔ یہ ۱۹۷۳ء کی ایک شام تھی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ کم و بیش دس سال تک جاری رہا۔ اس دوران میں مولانا نے خود بھی پڑھایا۔ سورۂ زخرف سے آخر تک قرآن مجید، موطا امام مالک، قرآن و حدیث پر تدبر کے اصول و مبادی اور فلسفۂ جدید کے بعض مباحث ان کے طریقے پر انھی سے پڑھے۔ مولانا فرماتے تھے کہ پڑھے کم لکھے زیادہ لوگ اس زمانے میں بہت ہو گئے ہیں۔ ان کا ارشاد تھا کہ قلم اس وقت اٹھایے، جب کوئی نئی حقیقت سامنے آئے۔ چنانچہ طالب علمی کے اس دور میں لکھنے کی ہمت کم ہی ہوئی۔ میں شعر کہتا تھا، نثر لکھنے سے مجھے کچھ زیادہ دل چسپی بھی نہیں تھی۔ تاہم چند چیزیں اردو اور عربی زبان میں قلم سے نکلیں، لیکن وہ ایسی ہی تھیں، جیسی کسی نو آموز لکھنے والے کی ہو سکتی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

۱۹۸۳ء میں تعلیم کا یہ مرحلہ ختم ہوا تو میرے معتقدات کی دنیا میں ایسا اضطراب پیدا ہو چکا تھا کہ ہر چیز اپنی جگہ چھوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ فقہ، اصول فقہ، تصوف، علم کلام، سب قرآن میں اپنی بنیادیں تلاش کر رہے تھے۔ دین کی صحیح تعبیر کیا ہے؟ اس سوال کے جتنے جوابات ابھی تک سامنے تھے، وہ سب اعتراضات کی زد میں تھے۔ میرے تصورات کا قصر منہدم ہو چکا تھا اور نئی تعمیر اب نئے بندوبست کا تقاضا کر رہی تھی۔ اگلے سات سال اسی بندوبست کی نذر ہو گئے۔ اس عرصے میں، معلوم نہیں، کتنی وادیاں قطع کیں، کتنے راستے ڈھونڈے، کتنے موڑ مڑے، کتنے پتھر الٹے، اور پاؤں کے آبلوں سے کہاں کہاں کانٹوں کی پیاس بجھائی۔ یہ عجیب سفر تھا۔ ایک کے بعد دوسری منزل گزر رہی تھی اور کچھ معلوم نہ تھا کہ آگے کیا پیش آنے والا ہے۔ فیضی نے غالباً اسی طرح کی صورت حال میں کہا تھا:

کس نمی گویدم از منزل اول خبرے

صد بیاباں بگزشت و دگرے در پیش است

اس زمانے میں اگر کچھ لکھا بھی تو کسی ضرورت کے تحت۔ بت کدۂ تصورات میں 'تراشیدم، پرستیدم، شکستم' کی جو صورت پیدا ہو گئی تھی، اس میں دوسروں سے کیا کہا جائے؟ یہ دور اسی طرح گزر گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۹۰ء میں جا کر وہ زمین کہیں ہموار ہوئی، جہاں نئی تعمیر کے لیے نیو ڈالی جائے۔ زندگی کے چالیس سال پورے ہونے کو تھے۔ فکر و خیال میں بڑی حد تک وضوح پیدا ہو چکا تھا اور نقشۂ کار بھی واضح تھا۔ میں نے تصنیف و تالیف کا ایک پروگرام ترتیب دیا اور اس کے مطابق کام کی ابتدا کر دی۔ پچھلے سترہ سال سے اسی کے مطابق کام کر رہا ہوں۔ بہت کچھ ہو چکا اور بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو یہ بھی ہو جائے گا۔ چند دن پہلے ''میزان'' پایۂ تکمیل کو پہنچی تو خیال ہوا کہ اس موقع پر یہ داستان سنا دی جائے۔ اسی تقریب سے اپنے کام کا نقشہ یہاں بیان کر رہا ہوں۔ یہ کتابیں ہیں جن میں سے کچھ لکھی جا چکی اور کچھ زیر تصنیف ہیں:

۱۔ البیان

قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر ہے۔

۲۔ میزان

اسلام کو میں نے جس طرح سمجھا ہے، یہ اس کا بیان ہے۔

۳۔ برہان

یہ ان مباحث کی تنقیح کے لیے خاص ہے، جہاں میرا نقطۂ نظر دوسرے علما سے مختلف ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

۴۔مقامات

پہلی دو کتابوں کے علاوہ جو کچھ لکھا ہے یا لکھنے کا ارادہ ہے،اس کے منتخبات اس کتاب میں جمع کرنا پیش نظر ہے۔

۵۔علم النبی

۶۔فقہ النبی

۷۔سیرۃ النبی

یہ تینوں کتابیں احادیث وآثار کی جمع وتدوین اوران کے متون کی تنقیح کے لیے ترتیب دینا چاہتا ہوں۔

۸۔خیال وخامہ

شعر کہتا رہا ہوں، یہ ان کا مجموعہ ہے۔

''برہان''، ''مقامات''اور''خیال وخامہ''شائع ہو چکی ہیں۔ان میں مضامین اور منظومات کا اضافہ،البتہ ہوتا رہتا ہے۔''میزان''،امید ہے کہ اس سال کے آخر تک شائع ہو جائے گی۔''البیان''میں سورۂ نساء تک پہنچا ہوں۔اس سے فارغ ہو گیا تو باقی عمران شاء اللہ حدیث کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔زندگی کی تمنا اگر ہے تو اب اسی کے لیے ہے۔ابوالکلام کا تصرف قبول کر لیا جائے تو زمانی یزدی کا یہ شعر ہر لحاظ سے حسب حال ہے:

حکایت از قد آں یار دل نواز کنیم
بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

[۲۰۰۷ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

محمد رفیع مفتی

متفرق سوالات

[المورد میں خطوط اور ای میل کے ذریعے سے دینی موضوعات پر سوالات موصول ہوتے ہیں۔ جناب جاوید احمد غامدی کے تلامذہ ان سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ یہاں ان میں سے منتخب سوال و جواب کو افادۂ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

سورۂ فیل میں فیل سے مراد

سوال: سورۂ فیل کی شرح میں یہ بتایا جاتا ہے کہ اصحاب الفیل سے مراد ابرہہ کا وہ لشکر ہے جو کعبہ پر حملہ کرنے کے لیے ہاتھیوں پر سوار ہو کر آیا تھا۔ کیا یہ بات واقعی صحیح ہے کہ وہ لشکر ہاتھیوں ہی پر سوار تھا؟ کیونکہ عرب میں ہاتھی نہیں پائے جاتے۔ کیا اس سورت کا ترجمہ درست کیا جاتا ہے؟ (آصف بن خلیل/قمر اقبال)

جواب: یہ بات تو درست ہے کہ عرب میں ہاتھی نہیں پائے جاتے تھے۔ لیکن پہلی بات یہ ہے کہ وہ لشکر حبشہ سے آیا تھا۔ حبشہ براعظم افریقہ کا ملک ہے اور افریقہ میں ہاتھی پائے جاتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ عرب ہاتھی کے تصور سے واقف تھے اور وہ اس کے لیے ''فیل'' ہی کا لفظ بولتے تھے۔ یہ لفظ غالباً فارسی کے لفظ پیل سے معرب ہے۔ بہر حال، ابرہہ ہی کے حملے کے بارے میں ان کے جو اشعار ہمیں ملتے ہیں، ان میں صریح طور پر ہاتھیوں کا ذکر ہے۔ مثلاً ان کا شاعر ابوقیس کہتا ہے:

ومن صنعه یوم فیل الحبوش　　اذ کلما بعثوه وزم

''اور اہلِ حبشہ کے فیل والے دن، اُس کے عجیب کرشموں میں سے یہ بات ہے کہ وہ لوگ جتنا اس کو اٹھاتے تھے،

اتنا ہی وہ بیٹھا جاتا تھا۔''

محاجنهم تحت اقرابه وقد کلموا انفه فانخرم

''اُن کے آنکس اُس کی کمر اور اس کے پیٹ کے نچلے حصے کو زخمی کر رہے تھے اور اُنھوں نے اُس کی سونڈ بھی زخمی کر ڈالی تھی۔''

ان اشعار سے یہ ظاہر ہے کہ فیل بہر حال، کوئی ایسا جانور ہی تھا، جس کی سونڈ ہوتی ہے اور جسے ہانکنے کے لیے آنکس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اصحاب الفیل سے ہاتھی والے لوگ مراد لینے کے پہلو سے اس سورہ کا ترجمہ بالکل درست کیا جا رہا ہے۔

بنکوں میں قرض کے لیے اجارہ کا طریق کار

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

سوال: کیا اجارہ کی وہ صورت واقعۃً صحیح ہے، جسے بعض بنک قرض دینے کے لیے اختیار کر رہے ہیں اور اسے قرض پر رقم دینے کی اسلامی صورت قرار دیا جا رہا ہے؟ (عاقب خلیل خان)

جواب: قرض کے لیے اجارہ کی صورت بالکل صحیح ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ بنک واقعتاً کرایے اور ملکیت کو الگ الگ واضح رکھ کر اسے اختیار کریں۔

قرآن سے متعہ کا ثبوت؟

سوال: پانچویں سپارے کے شروع میں متعہ کا ذکر موجود ہے۔ کیا اس آیت میں متعہ کی اجازت دی گئی ہے؟ یا عربی میں نکاح ہی کو متعہ کہتے ہیں؟ (آصف بن خلیل/قمر اقبال)

جواب: نکاح اور متعہ میں فرق ہے۔ نکاح میں مرد و عورت زندگی بھر کے لیے ازدواجی تعلق قائم کرتے ہیں، جب کہ متعہ میں وہ کم یا زیادہ بہر حال، ایک متعین مدت تک کے لیے یہ تعلق قائم کرتے ہیں۔ عربوں کے ہاں متعہ رائج تھا، لیکن اسلام نے اسے حرام قرار دے دیا ہے۔

قرآن مجید کی جس آیت کا آپ نے حوالہ دیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُم بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ.(النساء۴:۲۴)

''اور ان (محرمات) کے ماسوا عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں، اس طرح کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے ان کے طالب بنو، اُن کو قید نکاح میں لے کر، نہ کہ بدکاری (مادہ منویہ بہانے) کے طور پر، پس ان میں سے جن سے تم نے تمتع کیا ہو، تو ان کو ان کے مہر دو، فریضہ کی حیثیت سے۔ مہر کے ٹھہرانے کے بعد جو تم نے آپس میں راضی نامہ کیا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔''

یہی وہ آیت ہے جس کے خط کشیدہ الفاظ سے متعہ کو ثابت کیا جاتا ہے، لیکن ان سے متعہ کو ثابت کرنا بالکل غلط ہے، کیونکہ یہ آیت جس سیاق وسباق میں آرہی ہے، اس میں پہلے ان خواتین کا ذکر ہے جو نکاح کے لیے حرام ہیں، پھر فرمایا کہ ان کے ماسوا نکاح کے لیے حلال ہیں، لیکن شرط یہ کہ تم ان سے وقتی بدکاری (مادہ منویہ بہانے) کے طور پر تعلق قائم نہ کرو، بلکہ باقاعدہ نکاح کر کے عورت کو اپنی حمایت وحفاظت میں لو اور انھیں ان کے مہر دو، چنانچہ اِن حلال عورتوں میں سے جن سے تم باقاعدہ نکاح کر کے زن وشو کا تعلق تو قائم کر چکے ہو، لیکن تم نے ابھی ان کے مہر نہیں دیے، انھیں ان کے مہر دو، پھر مہر کی اس ادائیگی کے بعد اگر میاں بیوی باہمی رضامندی سے اس میں کوئی کمی بیشی کر لیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس آیت میں 'ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین' کے وہ الفاظ موجود ہیں، جن کا مطلب ہی یہ ہے کہ ''تم ان کے طالب بنو مال (مہر) کے ذریعے سے، ان سے نکاح کر کے انھیں اپنی حمایت وحفاظت میں لیتے ہوئے، نہ کہ وقتی بدکاری (مادہ منویہ بہانے) کے طور پر تعلق قائم کرتے ہوئے''۔ چنانچہ یہ آیت دراصل، متعہ جو وقتی نکاح ہوتا ہے اور جس میں اصلاً، مادہ منویہ بہانے کے سوا، نہ اولاد اور نہ عورت کی مستقل حفاظت وحمایت، اس طرح کا کوئی مقصد پیش نظر نہیں ہوتا، اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر رہی ہے۔ لہٰذا اس کو متعہ کے حق میں کسی طرح بھی پیش ہی نہیں کیا جا سکتا۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net